ملک کی انتخابی سیاست میں

ملّت کی اوّلین ترجیحات

اور ان کو روبہ عمل لانے کا منہج

مفتی انعام الحق ابن مولانا خلیل اللہ قاسمی

ناشر
النصیحۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملک کی انتخابی سیاست میں

ملت کی اولین ترجیحات

اور ان کو روبہ عمل لانے کا منہج

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل

مفتی انعام الحق ابن مولانا خلیل اللہ صاحب قاسمی

ناشر
النصیحۃ

تفصیلات کتاب

نام کتاب	:	ملک کی انتخابی سیاست میں ملت کی اولین ترجیحات اوران کوروبہ عمل لانے کا منہج
مرتب	:	مفتی انعام الحق ابن مولانا خلیل اللہ صاحب قاسمی
سال اشاعت	:	رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ مطابق مارچ ۲۰۲۴
صفحات	:	۱۲۰

ناشر

النصیحۃ ANN-NASEEHA

چشمہ، عماد نگر، میر محمود پہاڑی، حیدر آباد، تلنگانہ۔

4-12-46/56&57/P/NP, Chashma, Imad Nagar,
M.M. Pahadi, Hyderabad- 64. T.S.
Phone : 8008262984, 6302228374

فہرست مضامین

پیش لفظ	۷
ملک وملت کے حالات اور ملی اتحاد کا تقاضہ	۱۶
ملک کا سیکولر کردار اور فرقہ پرست	۱۷
ملک کی سیکولر اور سوشلسٹ شبیہ کا تنازعہ	۱۹
ملک میں بی جے پی کی محنتیں جن کو بری طرح نظر انداز کیا گیا	۲۱
ریاست میں بی جے پی کی محنتیں جن کو بری طرح نظر انداز کیا جارہا ہے	۲۷
ریاست میں بی جے پی کے ووٹ کی بڑھتی ہوئی شرح	۲۸
سیکولر پارٹیاں یا باہمی اتحاد	۲۹
دستوری اقدار اور سیکولر پارٹیوں کا رویہ	۳۲
سیکولر پارٹیوں سے مزید دیگر مسائل	۳۶
سیکولر پارٹیوں کا ”نظریاتی اساس“ میں اضمحلال یا انحراف	۳۹
بی جے پی سے عوامی شکایات کا ۲۰۲۴ کے نتائج پر اثر اور انڈیا اتحاد	۴۱
۲۰۲۴ میں کوئی تبدیلی ہو تب بھی	۴۴
ملت کے اتحاد سے فرقہ پرستوں کے متحد ہونے کا خدشہ	۴۵
ملی مرکزی جماعتیں اور ان سے توقعات	۴۶
اتحادی محنت کے لئے مستقل افراد کی ضرورت	۵۲
برادران وطن سے اتحاد	۵۳

باشندگان ملک میں مختلف مزاج	۵۳
برادران وطن کے تعارف کی اہمیت	۵۴
معروف سیاسی پارٹیاں اور منوواد	۵۵
سماجی سیاسی پارٹیاں	۵۸
مشترکہ مقاصد سے حلیف بنانا	۵۹
اتحاد واشتراک کی بنیاد	۶۰
منووادیوں کا آلہ کار طبقہ	۶۱
اکثریت اور اقلیت کی حقیقت	۶۲
جاتی واد کے نظریہ کی دودھاری کاٹ	۶۳
دینی امتیاز کا تحفظ	۶۴
انتخابی سیاست کی حکمت عملی	۶۵
انتخابات میں حصہ لینا اور ملک کے سیکولر کردار کی حفاظت کا حکم	۶۵
دستور ہند کی تدوین میں اکابر ملت کی محنتیں	۶۷
ووٹ اور قیادت کی نزاکت	۶۹
کیا دستور اور انتخابات ختم ہونے والے ہیں	۷۱
حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے	۷۲
درست سیاسی حکمت عملی کا رہنما طبقہ	۷۳
درست انتخابی حکمت عملی کا فقدان	۷۴
زمینی سطح پر محنت میں ہماری غفلت	۷۵

انتخابی حکمت عملی پر کام کرنے والے اداروں اور افراد کی کمی	۷۷
صرف غیر سیاسی اداروں پر توجہ کا ارتکاز	۷۸
انتخابی سیاسی حکمت عملی کے تقاضے	۷۹
حق رائے دہی کے استعمال میں کوتاہی	۸۱
ووٹر آئی ڈی کارڈ کا مسئلہ	۸۲
مال کی بنیاد پر حق رائے دہی کا استعمال	۸۳
حوصلہ مند جہد کاروں کی ضرورت	۸۴
زمینی سطح پر لیڈر شپ کی تیاری	۸۵
مسلم سیاسی پارٹیاں	۸۸
مسلم سیاسی انتخابی امیدواروں کی اہمیت	۹۲
ووٹ کاٹنے والے امیدواروں کا مسئلہ	۹۳
حلیفوں سے معاہدہ کے مشمولات اور طریقہ کار	۹۴
مضبوط اپوزیشن کی اہمیت	۹۷
کرنے کے کام	۹۸
تحفظات سے بالاتر ہو کر کام کرنا	۹۹
مرکزی جماعتوں اور ان کے قائدین کی ذمہ داری	۱۰۰
ملی جماعتوں سے جڑے افراد کی ذمہ داری	۱۰۲
ملی اتحاد کے لئے کام کرنے والے مستقل افراد اور نظم کی ضرورت	۱۰۳
وقت وقف کرنے والے اصحاب کی ضرورت	۱۰۳
ملی مسائل پر کام کرنے والے وقف افراد کے لئے وسائل کا مسئلہ	۱۰۴

ملی اتحاد کی بنیاد	۱۰۵
برادران وطن اور سیکولر طبقات سے اتحاد کی بنیاد	۱۰۶
ملی خدام کی صفات	۱۰۶
(۱)اخلاص و تقوی	۱۰۷
(۲)ملی واجتماعی ترجیحات کا فہم	۱۰۷
عدل اجتماعی کے مفہوم کا خلاصہ	۱۰۸
(۳)ملت وانسانیت پر رحم	۱۰۹
(۴)اتحاد ملت کی فکر پر کام	۱۱۰
(۵)جماعتی نظم کی پابندی	۱۱۱
امیر ومأمور یار ضاکار	۱۱۲
سمع وطاعت کے مقامات	۱۱۳
(۶)ذمہ درایوں کی تقسیم میں ترجیح	۱۱۳
(۷)شوری	۱۱۴
نظم کا دائرہ اور طریقہ کار	۱۱۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

آج کل ملک میں ایک پروپیگنڈہ چل رہا ہے کہ ۲۰۲۴ کے بعد انتخابات نہیں ہوں گے، یا یہ کہ بتدریج ملک کا جمہوری سیکولر کردار بالکلیہ ختم ہو جائے گا اور یہاں ''ہندو راشٹر'' قائم ہو جائے گا، یا یہ ہو چکا ہے، اسی سے ملتے جلتے بیانیے ہیں جو چلائے جا رہے ہیں، ہمارے بعض لوگ اس بیانیہ سے متاثر بھی ہو جاتے ہیں، اور خوف کا شکار ہیں۔

اول تو یہ سب ایک پروپیگنڈہ ہے، جس کو فرقہ پرستوں کے ساتھ سیکولر پارٹیاں بھی چلا رہی ہیں، فرقہ پرست تو اس پروپیگنڈہ کو اپنی نفسیاتی جنگ کے طور پر چلا رہے ہیں، اور سیکولر پارٹیاں اس پروپیگنڈہ کو اس لئے چلا رہی ہیں تاکہ اقلیتوں اور پچھڑے ہوئے طبقات کو فرقہ پرستوں کی جارحیت کے چلتے خوف دلا کر اپنا ووٹ بینک بڑھا سکیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ فرقہ پرستوں کی جارحیت تو موجود ہے، ساتھ ہی وہ اپنے طبقہ کے راج کے لئے محنت بھی کر رہے ہیں، لیکن ابھی ملک میں انتخابات کو روک دینا یا دستور کو بدل دینا، ملک کے جمہوری و سیکولر کردار کو کالعدم قرار دینا، یا دستوری اقدار کے مطابق ملک میں کوئی مثبت تبدیلی نہ آنے دینا یہ سب ابھی فرقہ پرستوں کے لئے مشکل ہے، بالفرض اگر یہ پروپیگنڈہ نہ ہو، اور ''اگر بالفرض یہ پیش آنے والا ہو'' تب بھی اس کی وہی حیثیت ہے جس پر قرآن مجید نے خبردار کیا ہے کہ یہ ایک

شیطانی چال ہے: إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۱۷۵)۔آل عمران

یعنی ایمان والے ایسے حالات میں جبکہ انہیں مرعوب کرنے کے لئے اس طرح کی باتوں سے ڈرایا جائے کہ کوئی گروہ ان کے خلاف جتھہ بازی کر رہا ہے، ان سے ڈرو کہ کہیں وہ تم پر غالب نہ آجائیں تو ایمان والوں کو جاننا چاہئے کہ یہ ایک شیطانی حربہ ہے، شیطان اپنے اولیاء سے مؤمنین کو ڈراتا ہے، ایسے میں مؤمنین کو یہ سبق سکھایا گیا ہے کہ ایک مؤمن صرف اللہ کا خوف اپنے دل میں رکھے، اور اپنے ایمان اور اعمال کی درستگی پر توجہ دے، شیطان اور اس کے اولیاء کبھی اس لائق نہیں ہوتے کہ ان کا خوف دل میں بٹھایا جائے۔

اسی طرح ایسے حالات میں ایک مؤمن کا جذبہ ایمان، جذبہ فرماں برداری اور اللہ پر توکل مزید بڑھ جانا چاہئے، جیسا کہ انہیں آیتوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوہ سے یہ رویہ ہمارے سامنے رکھا گیا ہے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان والے حوصلہ سے بھرپور مقابلہ کے لئے تیار رہتے ہیں، اور ان حالات میں ایمان والوں کی زبان پر حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ہوتا ہے کہ ان مصائب بھی میں ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے: الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (۱۷۳)۔آل عمران

ایمان والوں کے اس حوصلہ، اللہ پر توکل اور ایمان کی مضبوطی کے نتیجہ میں انہیں اللہ کی طرف سے یہ ثمرہ ملتا ہے کہ ایک تو وہ اللہ کے احسان اور فضل کے مستحق

بنتے ہیں ، دوسرے مخالفین کے مقابلہ میں من حیث الامۃ برے انجام سے محفوظ ہو جاتے ہیں،اور سب سے بڑھ کر اللہ پر توکل اور اس کی فرماں برداری پر جم جانے سے انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ (۱۷۴)آل عمران۔

قرآن کے ابدی پیغام کے مطابق یہ فوائد و برکات صرف صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں تھے، بلکہ ملت جب بھی جذبہ ایمانی کے ساتھ ان صفات کو اپنائے گی وہ ہر دور میں ان برکات کو حاصل کرے گی۔

اس کی کھلی مثال متحدہ بر صغیر میں مغلوں کے بعد ہمارے اکابر سلف کا اسوہ ہمارے سامنے موجود ہے، جنہوں نے برطانوی استعمار کے مشکل ترین دور میں قرآن مجید کی مذکورہ بالا تعلیم، نبی ﷺ اور صحابہ کے اسوہ کی پیروی میں دین پر اپنے بے مثال جماؤ، صبر واستقامت ، اور حفاظت اور اشاعت دین کے لئے بے مثال خدمات اور قربانیوں کا نمونہ پیش کیا،اور اسلام کے خلاف وقت کے فرعونوں کی سازشوں کو ناکام بناتے ہوئے دین کی حفاظت بھی کی اور دین کی اشاعت کا غیر معمولی کارنامہ بھی انجام دیا کہ آج ہم اس ملک میں جس دین کے نام لیوا ہیں ان میں ہمارے ان اکابر کی عزیمت، حوصلوں اور قربانیوں کی تاریخ شامل ہے۔

برطانوی استعمار جب پورے ملک پر غالب آگیا،اور غلامی کے دور کا آغاز ہوا، اس دور غلامی میں ہمارے اسلاف /ہندوستانی علماء کرام نے جو کارنامے انجام دیئے ، جس عزیمت کا ثبوت دیا، دین کی حفاظت اور اشاعت کے لئے جن بے مثال خدمات کو پیش کیا اور بھرپور حوصلہ کے ساتھ انگریزی قوت واستعماریت سے مقابلہ کیا وہ ملت کی

تاریخ کے سنہرے ابواب میں سے ہے، جس کی مثال دنیا میں کسی اور جگہ شاذ و نادر ہی ملتی ہے، اگر استعماری دور میں اکابر سلف کے کارناموں کا آزادی کے بعد کے ادوار میں ملت کے کارناموں سے موازانہ کیا جائے تو ہم اسلاف کے استعماری دور کے کارناموں کے آگے خود کو بونا محسوس کرتے ہیں۔

ہمارے اکابر نے دور غلامی میں جرأت و حوصلہ، دین پر مقاومت اور اعداء اسلام کو دندان شکن جواب دینے اور ملت کو دینی بنیادوں پر استوار رکھنے کے جو کارنامے انجام دیئے ہیں، دنیا کے دیگر خطوں اور ادوار میں بھی خاص کر آزاد ادوار میں بھی ان کی مثال نہیں ملتی، مغلوں اور مسلم حکمرانوں کے بعد برطانوی استعمار کے دور میں علماء ہند کی محنتوں کی بے شمار خصوصیات ہیں، یہاں صرف تین مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) دین اور علم دین کی حفاظت کے لئے بے مثال دینی تعلیمی اداروں کی بنیاد رکھنا، جن کے ذریعہ ملک میں سرمایہ ملت کی نگہبانی کی گئی، آزاد ادوار میں بھی بہت اعلی پایہ کے تعلیمی ادارے مسلمانوں نے قائم کئے، لیکن دار العلوم دیوبند اور اس کے نہج پر قائم کئے گئے مدارس کا امتیاز یہ ہے کہ ان اداروں نے کسی حکومت کی طاقت کے بغیر اعداء دین کے مقابلہ میں دینی علوم، اور شعائر دین کی حفاظت کی، ملت میں دین اور ایمان کی ہواؤں کو چلایا، اور ملت کو دین سے پھیر دینے کی دین کے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ یہ تعلیمی ادارے برطانوی دور استعمار میں قائم ہوئے، اور علوم دینیہ کی انتہائی مستحکم خدمات انجام دیں۔

خدانخواستہ اگر ملک کے حالات دوبارہ بگڑتے ہیں تو دین اور علم دین کی خدمت کا سلسلہ اکابر سلف کے اس نہج پر جاری رہے گا۔

(۲) دوسرے ان اداروں سے استعماری دور میں ایسے ایسے علماء کرام ، محققین اور مشائخ پیدا ہوئے کہ اگر ہم ان کا موازانہ ملک کی آزادی کے بعد کے علماء و محققین اور مشائخ سے کریں تو استعماری دور میں پیدا ہونے والے علماء کرام کا پلڑا مقام و مرتبہ، علم و تحقیق، ورع و تقوی، اور خدمات کی ہمہ جہتی وسعت، ہر اعتبار سے غالب دکھائی دیتا ہے، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہم اللہ وغیرہ اور ان جیسی بے شمار عبقری شخصیات ہمارے لئے بہترین اسوہ ہیں۔ جن کا یہاں نام ذکر کرنے کے لئے بھی کئی صفحات سیاہ کرنے پڑیں گے، ملک کے حالات خدانخواستہ بگڑتے ہیں تو ان اکابر علماء سلف کی پیروی میں دینی خدمات کا سلسلہ جاری ہے گا۔

(۳) تیسرے یہ کہ استعماری دور میں ملک میں جو ہمہ جہتی تحریکات اٹھیں، اور انہوں نے ملت کے دینی و ملی مفاد کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں وہ بھی محتاج بیان نہیں ہیں، تحریک شہیدین، ریشمی رومال تحریک، خلافت تحریک، جمعیۃ علماء ہند، تبلیغی تحریک، اور دیگر اور تحریکات ہیں جو دور استعمار ہی میں قائم ہوئیں اور انہوں نے ملک و ملت میں نہایت غیر معمولی کارنامے

انجام دیئے، جن کا فیض صرف ملک تک نہیں بلکہ پوری دنیا میں پھیلا اور آج بھی ان کا فیض جاری ہے۔

ان تین مثالوں اور ان کے کارناموں پر ہی تفصیلی تحریریں مجلدات میں موجود ہیں جن کو اہل علم جانتے ہیں، ان کے علاوہ بھی دینی خدمات کے کئی پہلو ہیں جن کا حوالہ دیا جا سکتا ہے کہ خدانخواستہ اگر بالفرض حالات بدلتے ہیں، اور ملک میں کسی ایک طبقہ کا "راج" قائم ہوتا ہے تب بھی دور استعمار میں ہمارے اکابر کا یہ اسوہ سامنے موجود ہے، آپ ﷺ، آپ کے صحابہ اور بعد کے ادوار میں امت کے ان اسلاف کی سیرت ہر دور میں ہمارے لئے رہنما کے طور پر موجود ہے، بس سچے ایمانی جذبہ کی ضرورت ہے، اس لئے یہ شبہ تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ ملک کا جمہوری اور سیکولر کردار ختم ہو جائے تو کیا ہو گا۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ملک میں ملک و ملت کے دشمن عناصر کی جانب سے جو ابتری پھیلائی ہے اس کو کسی مقابلہ کے بغیر قبول کر لیں، بلکہ اس مرحلہ کے پیدا ہونے سے پہلے ایک اہم ترین جد وجہد ہے جو ملت کو آج انجام دینی ہے، اور وہ ہے "ملک میں مذہبی اور دیگر بنیادی حقوق کی بقاء کے لئے جد وجہد کرنا، ملک کے دستور کی حفاظت کرنا، اور ملک کی سیاست میں مسلمانوں کی قوت کے احیاء کا سرگرم کام کرنا"، آج ملت کو حوصلوں اور عزم کے ساتھ ان مقاصد کے لئے ہر طرح جد وجہد کرنا اور تقاضوں کے مطابق ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہونا ہے۔

ملک میں جمہوریت، اور عدل اجتماعی کے قیام کے لئے ہمارے اکابر نے اپنے وقت میں سخت ترین محنتیں کیں، غیر معمولی قربانیاں دیں تب کہیں ہم آزاد ملک

حاصل کر پائے، اور اس میں نظریہ اور فکر و کی آزادی کے ساتھ سانس لے پائے، ملک کا بنیادی حقوق پر مشتمل جمہوری دستور بنانے میں اکابر ملت نے جو محنت کی ہے آج اس کی بقا کے لئے ہر طرح سے جد وجہد (Struggle) اور اس کے تحفظ کے لئے ہر ممکن مقاومت (Resistance) کرنا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔

ہمارے اکابر نے ماضی میں اپنی محنتوں اور قربانیوں سے ہمارے لئے دینی اور ملی اعتبار سے محفوظ دور فراہم کیا، ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے وہی محنت آج ہمیں کرنا اور قربانیاں دینا ہے، یہ ہم پر دین اور ملت کا قرض ہے، اس قرض کو ادا کئے بغیر اور اس کے لئے کما حقہ جد وجہد کئے بغیر ہم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

اس مسئلہ کا تعلق صرف ملی سیاسی استحکام تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ اس درجہ نازک ہے کہ ملک میں دین کی بقاء، شعائر دین کے تحفظ، ملت کے دینی تشخص، اور ملک میں اسلام اور اسلامی آثار کی بقاء اور حفاظت سے جڑ گیا ہے، اس لئے ملک میں ملت کی سیاسی قوت کے استحکام کے لئے جد وجہد آج ملک میں خود دین کی حفاظت کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔

۲۰۲۴ کے عمومی انتخابات کے پس منظر میں کانگریس اور اس کے اتحادیوں (انڈیا اتحاد) پر بھروسہ کیا جارہا ہے کہ وہ ملک میں کوئی انقلاب برپا کردیں گے، ممکن ہے یہ اتحاد ۲۰۲۴ میں کامیاب ہو جائے، اور اقتدار میں آجائے، انڈیا اتحاد کے اقتدار میں آنے کی ممکنہ وجوہات کو اس رسالہ میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے، اس وقت کانگریس اور اس کی اتحادی سیکولر پارٹیوں کے ساتھ، پوری ملت، اکابر امت، اور ملک کے دیگر طبقات اس بدلاؤ کے لئے فکریں اور محنت کر رہے ہیں، اس محنت میں ہم سبھی

شامل ہیں، البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ انڈیا اتحاد اقتدار میں نہ آئے تو کم از کم مضبوط اپوزیشن بن جائے، تب بھی فرقہ پرستوں کی موجودہ بدمستیوں پر کچھ بندھ لگے گا، لیکن آج ملک کے موجودہ حالات کے تناظر میں سیکولر اتحادیوں پر تکیہ کرنے کے مقابلہ میں گہرائی سے اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ملت کا اب کانگریس یا دیگر سیکولر پارٹیوں پر مستقل انحصار مسائل کا حل نہیں ہے، بلکہ ایک مستقل درست حکمت عملی پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اور اس پر سنجیدہ محنت کی ضرورت ہے، اس کے بغیر سیاسی پارٹیوں پر انحصار کرنا اور ان کو اپنے مسائل کا حل سمجھنا صرف خود فریبی ہے، ۲۰۲۴ کے انتخابات اہم ہیں لیکن اس میں کسی بدلاؤ سے ملک کے حالات میں مستقل بدلاؤ نہیں آنے والا، کسی بھی حقیقی بدلاؤ اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ملت کو خواب غفلت سے آزاد ہو کر بہت طویل جدوجہد کی ضرورت ہے۔

اس تحریر میں ملت کی اسی جدوجہد اور ملی ترجیحات کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے، نیز اس میں ان ترجیحات کو روبہ عمل لانے کے منہج پر بھی کلام کیا گیا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے کن خطوط پر کام ہو، ان کے علاوہ چند اور اہم متعلقہ پہلو بھی ہیں جو اس رسالہ کا موضوع ہیں۔

مسائل کے بیان کے علاوہ جو حل اور منہج بطور مشورہ اس تحریر میں پیش کیا گیا ہے اس پر ممکن ہے دیگر اصحاب نظر کی آراء مختلف ہوں، اور تمام آراء کا استقبال کیا جانا چاہئے، راقم سطور نے بھی جو حل پیش کئے ہیں ان سے بھی اختلاف کا حق ہے، اجتماعی امور میں اصحاب نظر کے اختلاف کا یہ حق مسلم ہے، لیکن ایک چیز جس پر سبھی کو اتفاق کرنا ہوگا، وہ ہے ملت کا ”مستحکم اتحادی پلیٹ فارم“ کو وجود میں لانے کے لئے دیانت دارنہ کوشش کرنا، اختلاف رائے کے باوجود مشترکہ مقاصد سے باہم مل بیٹھنے کی راہیں

نکالنا،اور حل اور طریقہ کار کو باہم مل کر طے کرنا اس ضرورت اور ذمہ داری سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کچھ ملت کے اتحادی پلیٹ فارم پہلے سے موجود ہیں، لیکن تقاضوں پر ان کی فعالیت سب کے سامنے ہے، ضرورت اسی بات کی ہے کہ ان اتحاد کے پلیٹ فارموں کو کیسے مؤثر، فعال اور متحرک بنایا جائے۔

ملت جب باہمی اتحاد سے اپنے مسائل پر واقعی مل بیٹھ کر حل نکالنے کی کوشش کرے گی، اور اس کے تقاضوں پر عملا حصہ لے گی، اور سبھی باہمی اتفاق کے ساتھ ایک دوسرے کی قوت بننے کا رویہ اپنائیں گے تو ملت کے مسائل آج بھی ضرور حل ہوں گے، اور دین محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والتسلیم کی بقاء کی فکر کے ساتھ اس طرح جڑنا دنیا و آخرت کی سعادت کا ذریعہ بنے گا وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ملت کی رہنمائی فرمائے، اتحاد ملت کی راہیں ہموار فرمائے، دلوں میں وسعت پیدا فرمائے، دین و ملت کی سربلندی کے لئے جدوجہد و کرنے والے دردمند اصحاب کی نصرت فرمائے اور ان کے لئے آسانیاں مہیا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

انعام الحق

یکے از خدام محکمہ شرعیہ حیدرآباد

۱۶/مارچ ۲۰۲۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملک وملت کے حالات اور ملی اتحاد کا تقاضہ

ملک آزاد ہو کر ۷۵ سال ہو چکے ہیں، ان پچھتر سالوں میں ملت نے ملی اور اجتماعی تقاضوں پر کئی پہلوؤں سے کام کیا ہے، ہمارے درمیان بڑی بڑی جماعتیں اور ادارے ہیں جن کا غالب حصہ آزادی سے پہلے سے قائم ہے، اور آزاد ملک میں بھی کئی ملی واجتماعی پلیٹ فارم وجود میں آئے، ان سب سے ملت کے کئی بے حد اہم کام ہوئے، پون صدی میں ملت میں کئی عبقری شخصیات بھی پیدا ہوئیں، جنہوں نے اپنے اپنے دور میں دین وملت کی اہم خدمات انجام دیں، ہمارے دل سب کی خدمات کے اعتراف اور سب کے احترام سے لبریز ہیں۔

البتہ آج ہر طرف ایک احساس شدید ہے کہ ایک چیز ہم سے چھوٹ گئی، اور اس کمی کا احساس آج ہی نہیں ہوا ہے، پہلے بھی اس کمی کو محسوس کیا گیا تھا اور اس کے لئے کوششیں بھی ہوئیں، لیکن اب پتہ چلا ہے کہ اب اس کمی کو پورا کئے بغیر آئندہ کا سفر تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ اور وہ کمی ہے ملی اتحاد کا فقدان، ملت کے اجتماعی مسائل باہم اتفاق کے ساتھ مل بیٹھ کر حل کرنے، اور ملک وملت اور انسانیت مخالف عناصر کا باہم ''بنیان مرصوص'' بن کر مشترکہ اور متحدہ حکمت عملی کے ساتھ مقابلہ کرنے میں کوتاہی کرنا ہے۔

اس ضرورت کا احساس آج اس لئے بھی شدید ہو گیا ہے کیونکہ کل تک اس کی ضرورت اتنی شدت سے محسوس نہیں کی گئی تھی جیسے آج پیدا ہو گئی ہے، کل تک ملک میں صاحب اقتدار طبقہ میں عدل اجتماعی نہ سہی لیکن کسی درجہ میں رواداری کا ایک عنصر یا اس کا مکھوٹا موجود تھا لیکن اب وہ بھی ختم ہو گیا ہے، اور ایک ایسا انتہاء پسندانہ طبقہ

اقتدار میں آگیا ہے جو ملک میں سبھی پچھڑے ہوئے طبقات اور بالخصوص اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مبینہ معاندانہ رویہ اپنا کر ان کے وجود کو مٹا دینے کے درپے ہے۔ اور اب ہم باہم ''بنیان مرصوص'' بنے بغیر بکھر کر، منتشر رہ کر، اپنی اپنی جگہ حالات کا مقابلہ کرنے کے رویہ کو ہی جاری رکھنا چاہیں گے تو ہمیں اپنا ملی وجود بھی بچانا ناممکن ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی صاف وصریح تعلیم کے مطابق باہمی نزاعات اور انتشار ملت کی قوت اور رعب کو ختم کر کے ملت کو کمزور بنا دیتے ہیں، اور غیروں کے مقابلہ میں ملت حقیر بن کر رہ جاتی ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (۴۶)۔ سورۃ الانفال

قرآنی تعلیمات کے مطابق باہمی اتحاد اعتماد پیدا کرتا ہے کہ ہم تنہا نہیں ہیں، جماعت کی طاقت ہمارے ساتھ ہے۔ جس سے ایک فرد بھی اپنے اندر پوری جماعت کی قوت محسوس کرتا ہے، اور جب باہمی اتحاد نہیں رہتا تو افراد کا خود پر سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے، اور اجتماعیت کی قوت بکھر کر رہ جاتی ہے، اس کے بعد ذاتی طور پر کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اور اس کمزوری کے احساس سے ہی بزدلی بھی پیدا ہوتی ہے۔

باہمی انتشار سے غیروں کے مقابلہ میں ملت کی ہوا اکھڑ جاتی ہے، اور ملت دشمن کی نظروں میں حقیر بن کر رہ جاتی ہیں، اور عظیم افرادی تعداد کے باوجود ملت کے ساتھ کھلواڑ آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ایک فطری قانون ہے، جو ہر ایک پر لاگو ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس سے بچنے کی خاص تاکید فرمائی۔

ملک کا سیکولر کردار اور فرقہ پرست

آزادی کے بعد سے ہمارا ملک ہندوستان ایک سیکولر پہچان رکھنے کے ساتھ عدل اجتماعی کو اپنا نصب العین مانتا ہے، ''مختلف مذاہب، مختلف زبانوں اور مختلف

ثقافتوں'' کے باشندوں سے بنے ہمارے ملک نے آزادی کے بعد سے ''ہر طبقہ کے لئے افکار، اظہار خیال اور مذہب کی آزادی(LIBERTY)، سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف (JUSTICE)، حیثیت اور مواقع کی برابری و مساوات (EQUALITY)، اور باہمی اخوت اور ہر فرد کے وقار اور اخوت (FRATERNITY) کے تحفظ'' کی راہ چنی، لیکن بد قسمتی سے آغاز سے ہی ایک محدود طبقہ ملک کے اس سیکولر اور عدل اجتماعی کے محافظ کردار کے بجائے ''مذہبی فرقہ پرستی، طبقاتی تقسیم، نسلی برتری، جاتی واد، اپنے طبقہ کا راج، اور ملکی وسائل پر اپنے نسلی طبقہ کا قبضہ'' جیسے نظریات کا ہم نوا رہا، اور پچھلے پچہتر برس سے اس طبقہ نے ایک تو اپنے نظریات کے غلبہ کے لئے محنتیں کیں اور دوسرے ملک کے امن و بھائی چارہ کی فضا کو بری طرح سے زہریلا بنانے کی کوشش کی، اور اپنے مقاصد میں بہت حد تک کامیاب بھی رہا، بد قسمتی سے آج وہی طبقہ ملک پر راج کر رہا ہے۔ ملک کی مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ اور میڈیا سبھی ادارے اس کے قابو میں ہیں، اور ہر ادارہ سے دستوری اقدار کو دھڑلے سے بری طرح پامال کیا جا رہا ہے۔

فرقہ پرست اور نسلی برتری کے نظریہ کے حامل اس طبقہ نے انتہائی شاطر ذہانت سے راجنیتی اور اقتدار کے حصول کے لئے مذہب کو اپنے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، اور ایک وسیلہ و آلہ (Tool) کے طور پر خاص مسلم دشمنی کو اپنا عنوان بنایا، حالانکہ اقتدار میں آنے کے بعد ان فرقہ پرستوں نے خود کو صرف مسلم اقلیت کو نقصان پہنچانے تک محدود نہیں رکھا بلکہ پورے ملک اور اس کی معیشت پر اپنے پنجے گاڑھے، اور ملک کے وسائل کو اپنے قبضہ میں کر کے ملک کے تمام باشندے؛ کیا مسلمان کیا غیر مسلم سبھی کے بنیادی حقوق کو پامال کیا، اور یہی ان کا حقیقی مقصد بھی ہے، لیکن

بظاہر ان کی مخالفت کا عنوان یا ان کے سیاسی رسوخ اور راجنیتی کے لئے اصل ہدف مسلم دشمنی ہے۔ اپنی راجنیتی کے استحکام کے لئے ان کی مسلمانوں سے اس عداوت میں ہر گزرتے دن کے ساتھ روز بروز تیزی آتی جارہی ہے، مساجد، مدارس، اوقاف، مسلم پرسنل لاء، اور مسلمانوں سے جڑی ہر چیز، دستوری اقلیتی حقوق حتی کہ مسلمانوں سے ملک کی باشندگی کے حقوق کو بھی ختم کرنے کی کھلے عام بات کی جارہی ہے۔

ملک کی سیکولر اور سوشلسٹ شبیہ کا تنازعہ

دستور ہند (Indian Constitution) میں جہاں تمام باشندگان ملک کے لئے عدل اجتماعی (Social Justice) کو یقینی بنانے کے لئے

(۱) ''افکار، اظہار خیال اور مذہب کی آزادی (LIBERTY)

(۲) سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف (JUSTICE)

(۳) حیثیت اور مواقع کی برابری و مساوات (EQUALITY)

(۴) اور باہمی اخوت اور ہر فرد کے وقار (FRATERNITY) کے تحفظ

''کا تیقن دیا گیا ہے۔

وہیں ''ملک'' اور ''ریاست'' (State) کے رویہ کے بارے میں بھی واضح کیا گیا ہے کہ خود ملک کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوگا بلکہ وہ تمام مذاہب کو برابر کی نگاہ سے دیکھے گا، مذہب فرد کی آزادی کا حصہ ہوگا اور مذہب کے معاملہ میں خود ملک غیر جانبدار رہے گا۔ جیسا کہ دستور کے دیباچہ اور دستور کے بنیادی حقوق سے متعلق دفعات ۲۷ اور ۲۸ سے واضح ہے، لیکن نسلی برتری کے نظریہ کے حامل طبقہ نے ملک میں اقتدار کے بعد اپنے مذہب کی حکومتی سرپرستی شروع کردی ہے۔ ابھی ایودھیا میں رام مندر میں پران پرتھشٹا کے نام پر برسر اقتدار پارٹی، ریاست کے وزیر اعلی، ملک کے وزیر اعظم اور

ان کی پوری لابی نے ایک مخصوص مذہب کی سرکاری سرپرستی کے لئے جو کچھ کیا وہ سامنے ہے، حالانکہ ملک کے دستور اور ملک سیکولر کردار میں اس کی کہیں گنجائش نہیں تھی۔

جس طرح دستور (Constitution) کے دیگر تیقنات اور بنیادی حقوق فرقہ پرستوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتے، ویسے ہی ''ملک'' اور ''ریاست'' (State) کا یہ رویہ کہ خود ملک کا کوئی مذہب نہیں ہوگا بلکہ مذہب کے معاملہ میں ملک غیر جانبدار رہے گا۔ یہ پہلو بھی فرقہ پرستوں کو بری طرح کھلتا ہے جس کا اظہار فرقہ پرستوں کی جانب سے آئے دن ہوتا رہتا ہے۔

فرقہ پرست جو ایک مخصوص مذہب کو ملک کا مذہب بنانے کے لئے کوشاں ہیں وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ملک کی اکثریت یہی چاہتی ہے، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں صرف مسلمان رکاوٹ ہے، حالانکہ مذہب کے معاملہ میں ملک کے لادینی (Secular) ہونے کے رویہ کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں ہے، بلکہ ہمارا ملک اتنے مذاہب کی آماجگاہ ہے کہ حقیقتاً ملکی سطح پر کسی ایک مذہب کو اکثریت کا درجہ حاصل نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ ملک کی اکثریت ہندو ہے، حالانکہ اول تو ہندومت کوئی مذہب نہیں ہے اور نہ ہی ملک کی اکثریت ہندومت میں یقین رکھتی ہے، بلکہ ملک کی اکثریت صاف اور صریح طور پر اپنے ہندو ہونے سے انکار کر رہی ہے، اور صاف اعلان کر رہی ہے کہ وہ ملک کے سیکولر کردار کو ہی پسند کرتی ہے۔

ہندو اور ہندوتو کی بات کرنے والا طبقہ ملک میں صرف ایک محدود ''نسلی برتری کی فکر'' کا حامل منووادی طبقہ ہے جو ملک کی اکثریت کو فریب میں مبتلا کر کے ہندوتو کی بات کرنا چاہتا ہے، جبکہ ملک میں SC, ST, اور OBC کا بڑا طبقہ صاف

کہتا ہے کہ ہندو تو یا ہندو نام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، ان کی اکثریت تو خود کے ہندو ہونے کا ہی انکار کر رہی ہے، ملک کی بہو جن سماج کی فکریں اس پر شاہد ہیں۔

البتہ چونکہ آزادی کے بعد بعض مخصوص سیاسی لیڈروں نے SC, ST, اور OBC کو ہندو پہنچان کے تحت درج کروانے میں کامیابی حاصل کی اس لئے آج ہندو اکثریت میں دکھائی دے رہے ہیں، اسی طرح چونکہ فرقہ پرست ملک کی سیاست کے ساتھ ساتھ میڈیا پر بھی چھائے ہوئے ہیں اس لئے وہ اپنے نظریہ کی تشہیر اور ایک جھوٹی مصنوعی لہر پھیلانے میں کامیاب ہیں کہ ''ملک کی اکثریت کی رائے ان کے حق میں ہے'' جبکہ آج بھی ملک میں حقیقی سطح پر اکثریت ملک کے سیکولر کردار اور عدل اجتماعی (Social Justice) کے اقدار کی حامی اور اس کے تحفظ اور بقاء کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔

المیہ یہ ہے کہ منووادیوں کی اس نسل پرستی اور فرقہ پرستی کی منظم سازشوں کے مقابلہ کے لئے ملت نے کوئی متحدہ حکمت عملی نہیں اپنائی، اور نہ ہی ملی اتحاد کے علاوہ اس نسل پرستی کے نظریہ کے حامل طبقہ کے مقابلہ کے لئے ملک میں دیگر حلیفوں کو تلاش کر کے ان سے اشتراک عمل کی کوئی متحدہ جدوجہد کی گئی، زیادہ سے زیادہ ایسے سہاروں پر انحصار کیا گیا جو خود اندورانی طور پر نسل پرست تھے اور فرقہ پرستوں کے معاون تھے، جس کے نتیجہ میں اب تک نسل پرست اور فرقہ پرست ہی مضبوط ہوتے گئے اور ان کے مقابلہ میں ملک و ملت کمزور ہوتے گئے۔

ملک میں بی جے پی کی محنتیں جن کو بری طرح نظرانداز کیا گیا

انگریزوں سے آزادی کے بعد ملک میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک کانگریس اقتدار میں رہی، جو خود کے سیکولر اور عدل اجتماعی کی اقدار کا علمبردار ہونے کا

دعوی کرتی ہے، حالانکہ یہ دعوی خود غور و فکر کا اہم موضوع ہے، لیکن ابھی یہ عرض کرنا ہے کہ اس نصف صدی سے زائد عرصہ میں فرقہ پرست اپنے نظریات کی برتری کے لئے زمینی سطح پر مسلسل کام کر رہے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرقہ پرستوں نے اپنی ''اجتماعی قوت'' کو بڑھانے اور متحد کرنے میں زمینی سطح پر بے مثال محنت کی ہے اور ان کے مقابلہ میں ملک کے سیکولر ہونے کے مدعیان نے ملک کے سیکولر کردار کے تحفظ کے لئے فرقہ پرستوں جیسی محنت نہیں کی، یا پھر کم از کم ان کی طرح متحد اور مرتکز نہیں رہے۔

اسی میں ملت اسلامیہ ہند یہ جو ایک دعوی کے مطابق ملک میں ۲۰ کروڑ یا کم از کم ۱۷ کروڑ کی عظیم افرادی قوت کی حامل ہے، ان کی جانب سے بھی اپنی اجتماعی حکمت عملی / پالیسی میں بری طرح غفلت برتی گئی اور آج بھی ملک کے موجودہ نازک ترین حالات میں بھی وہ بری طرح باہمی انتشار کے شکار ہیں۔

بی جے پی کی محنتوں کا جائزہ لیا جائے تو وہ ملکی سطح پر ۱۹۸۰ میں قائم ہوئی، جبکہ اس نظریہ کا حامل طبقہ ملک میں پہلے سے رہا ہے، اور ان کی محنتیں ظاہری اور باطنی طور پر آزادی سے پہلے سے پائی جاتی ہیں، البتہ سیاسی قوت کو مجتمع کرنے کے لئے ان کا سفر بی جے پی کے بیانر تلے ۱۹۸۰ سے شروع ہوا۔

۱۹۸۴ کے ملک کے آٹھویں عمومی انتخابات میں اس کو صرف ۲ ٹکٹ ملے تھے، اور اس کا ووٹ بینک صرف 7.74 فی صد تھا۔

لیکن اگلے نویں عمومی انتخابات ۱۹۸۹ میں بی جے پی نے اپنی فکر کے حامل طبقہ کی بکھری ہوئی قوت کو مجتمع کرنے کی انتھک محنت کی اور ۸۵ سیٹیں حاصل کیں،

جبکہ وہ ای وی ایم کا دور بھی نہیں تھا، اور اگلے آنے والے ہر انتخابات میں یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہا۔

۱۹۹۱ (دسویں عمومی انتخابات) میں بی جے پی کو ۱۲۰ سیٹیں 20.07 فی صد ووٹ سے حاصل ہوئیں۔ یہ بھی ای وی ایم کا دور نہیں تھا۔ بی جے پی اس دور میں ایک طرف پارٹی سے فکری ہم آہنگی رکھنے والے طبقہ میں سیاسی اتحاد کے لئے دن رات کوشاں تھیں، اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنے ہم آہنگ ذہن کو متحد کرتی جارہی تھی۔

دوسری جانب اس کے مقابلہ میں حزب مخالف جو خود کو سیکولر یا عدل اجتماعی کا جہد کار کہتا ہے، بی جے پی، آر ایس ایس کا مخالف کہتا ہے وہ کم از کم اس نظریہ کے سامنے بری طرح انتشار اور تفرقہ کا شکار رہا، یا اپنے حلقوں میں انفرادی اور گروہی پالیسیوں پر مجرمانہ مروت برت رہا تھا، اور خود ملت اسلامیہ ہند یہ بھی اسی انتشار اور تفرقہ کا شکار تھی۔

فرقہ پرست جو اپنے طبقہ کی بالاتری کے لئے خود کو متحد کرنے کی کوشش کررہے تھے، اس کے مقابلہ میں ملک کا سیکولر اور عدل اجتماعی کا جہد کار طبقہ دستوری اقدار کے لئے متحد نہیں تھا، اور نہ ہی ملت اور اس کی قیادت اس خطرہ کو صحیح طور پر سمجھ کر اپنی توجہ ملت کے اتحاد پر کر پائی، یہاں تک کہ بابری مسجد کے انہدام کا سانحہ پیش آیا، اور ملت اس سانحہ پر بھی باہمی اتحاد کے لئے نہیں جاگی۔ اور کم از کم ملی سیاسی امور میں حالات کا جائزہ لے کر اپنے ممکنہ حلیفوں کے ساتھ مل کر ملت کا مضبوط محاذ بنانے میں ناکام رہی، اور ایسے سہاروں پر تکیہ کئے رہی جو خود ہی قدم قدم پر ملت کے مفادات کو مجروح کرنے میں لگے رہے۔

کانگریسی حکومت تھی جس نے پورے ٹرم میں حکومت کی، حالانکہ یہ واقعہ ۱۹۹۲ کے بعد کا ہے جبکہ مسلمانوں کو بابری مسجد کے انہدام کے مجرموں کو باہم متحد ہو کر کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کرنا چاہئے تھا لیکن ملت مسلسل بٹی ہوئی رہی، اور ان خطوط پر یا تو کما حقہ غور و فکر ہی نہیں ہوا یا غور و فکر تو ہوا لیکن عملی جدوجہد مفقود رہی، مساجد کا انہدام دیکھ کر بھی، اسلام اور مسلمانوں کی بدترتیج کمزوری کا تجربہ کر کے بھی، اور اسلام اور مسلمان مخالف عناصر کو دن بدن مضبوط ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی ملت کے بٹے ہوئے طبقات باہم دوریوں کو ختم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد و اتفاق کر کے ملی سیاسی استحکام کے لئے جدوجہد کرنے تیار نہیں ہو پائے، جبکہ ان کے مقابلہ میں ملک و ملت کے دشمن باوجود ہزار دوریوں کے متحد ہوتے رہے۔

چودھویں اور پندرھویں عمومی انتخابات ۲۰۰۴ اور ۲۰۰۹ میں البتہ کانگریس نے یو پی اے (United Progressive Alliance) اتحاد بنا کر حکومت کی۔ اس وقتی لہر پر ملت پھر سے دوسروں پر انحصار کر کے خواب غفلت میں پڑی گئی، اور بدلتے حالات کا اندازہ نہیں کر پائی۔ زمینی حقائق سے دور رہی، ملک میں فرقہ پرستی کی بڑھتی ہوئی لہر، اور نسلی برتری کے نظریہ کے حامل طبقہ کی نہ صرف سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے بلکہ نوکر شاہی میں رسوخ کے لئے جدوجہد کو یکسر نظر انداز کر کے کانگریس اور اس کے اتحادیوں پر انحصار میں کھو گئی۔

چنانچہ اس کے بعد سولھویں اور سترھویں عمومی انتخابات ۲۰۱۴ اور ۲۰۱۹ میں بی جے پی کو پھر سے جیت ملی، ۲۰۱۴ میں اس کا ووٹ بینک 31.34 فی صد کو پہنچا اور ۲۸۲ سیٹیں اس کو حاصل ہوئیں، اور اس نے تنہا حکومت بنائی، اور ۲۰۱۹ میں بی جے پی کو ۳۰۳ سیٹیں ملیں، اور ووٹ کی شرح بھی بڑھ کر 37.70 فی صد ہو گئی۔

ان دو دورانیوں میں ملک کی عوام کی بہبود اور ترقی کی پالیسیوں پر اس حکومت نے کوئی کام نہیں کیا، بلکہ ملک کی معیشت کو برباد کر دیا، مگر اپنے نظریات کے غلبہ اور اپنے اقتدار کی قوت بڑھانے پر مسلسل توجہ مرتکز رکھی، اور ایوانوں میں ایسے قوانین بناتی رہی جو اس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہوں۔ اور ملک کے بنیادی مسائل سے توجہ ہٹانے کے لئے مسلم دشمنی کو ہدف بنایا گیا، اور دن رات میڈیا سے ہندو مسلم، ہندو مسلم کا واویلا مچایا گیا، جس سے ملک کے تمام باشندے متاثر ہوئے، جس کا اظہار آج پورے ملک میں ہو رہا ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ انتخابی نتائج کی اس جھلک میں ۱۹۸۰ سے آج تک بی جے پی کی غیر معمولی محنت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ماضی قریب کے دو انتخابات ۲۰۱۴ اور ۲۰۱۹ میں ای وی ایم کا الزام لگایا جا سکتا ہے، لیکن ۱۹۹۹ تک جبکہ بی جے پی کو ۱۸۲ سیٹیں ملی تھیں ان پر ای وی ایم کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

بی جے پی کی اس کامیابی کے دو رخ ہیں ایک تو اس کی اپنی ذاتی محنت ہے، جس میں وہ خود کو مجتمع کرنے، اپنی ہم ذہن قومی قوت کو متحد کرنے میں لگی ہوئی تھی، لیکن دوسرا رخ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں حزب مخالف انتشار کا شکار تھی، جس میں سیکولر برادران وطن/عدل اجتماعی کے جہد کار بھی شامل تھے اور مسلم ملت بھی شامل تھی۔ جو ان حالات پر گہری نظر رکھ کر اپنے اتحاد اور اپنی قوت کو مجتمع کرنے کی کوششوں سے بالکل بے پرواہ بنی رہی۔

اور المیہ یہ ہے کہ آج بھی جبکہ ۲۰۲۴ کے عمومی انتخابات آنے والے ہیں اس کے ماحول کو دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک طرف فرقہ پرست اور دوسری طرف ملک کی سیکولر پارٹیاں اپنے مفادات کے لئے کام کر رہے ہیں لیکن خود ملت

غفلت وانتشار اور بے عملی کی شکار ہے۔ سیاسی انتخابی پالیسی کے لئے ملت کی کوئی متحدہ فکر، انتخابی سیاست میں ملت کے استحکام کے لئے کوئی درست حکمت عملی کے لئے اور جدوجہد ملی حیثیت سے مفقود ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو اپنے اپنے طور پر بکھر کر کچھ کوششیں کررہے ہیں لیکن ان بکھری ہوئی کوششوں کے نتائج کا تجربہ ہم پچھلی پون صدی سے کرتے آئے ہیں۔

ریاست میں بی جے پی کی محنتیں جن کو بری طرح نظرانداز کیا جارہا ہے

ریاست تلنگانہ میں بھی نہایت تشویش ناک احوال جاری ہیں، بی جے پی ریاستی سطح پر بھی بتدریج اپنے پاؤں مضبوطی سے جمارہی ہے، لیکن اس کو مستقل نظر انداز کیا جارہا ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے ہم خود اپنی نادانی سے اور انفرادی یا گروہی انتشار کی پالیسیوں سے بی جے پی کو اپنے ہاتھوں ریاست میں سیاسی استحکام کے مواقع فراہم کررہے ہیں۔

ایک تو ریاست میں بی جے پی کی زمینی سطح پر محنتیں غیر معمولی ہوگئی ہیں، واضح رہے کہ ریاست میں بی جے پی کے استحکام کے لئے ابھی تک ای وی ایم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ دوسرے ہمارا انتشار انہیں مزید مضبوط بنارہا ہے۔ نہ ہم ان کی طرح زمینی محنت کرتے ہیں، اور نہ ہی اپنے انتشار پر قابو پاکر کم از کم انتخابی سیاست کی حد تک باہم اتحاد پیدا کرنا چاہتے ہیں، جس کی وجہ سے ریاست میں بھی فرقہ پرست بتدریج مضبوط ہوتے جارہے ہیں۔

پچھلے تین اسمبلی انتخابات پر ایک نظر ڈال کر ریاست میں بی جے پی کی محنتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ملی جماعتوں کے کاموں میں سے ایک اہم کام یہی تھا کہ وہ ملت کو درپیش ان خطرات کا صحیح تجزیہ کرتے، ملت کو اس سے باخبر کرتے، ملت کو اس خطرہ

کے مقابلہ کے لئے متحرک کرتے ،اور باہمی اتحاد قائم کر کے ملت کو درپیش حقیقی خطرہ سے نمٹنے کے لئے مشترکہ لائحہ عمل بناتے۔

۲۰۱۴ میں تلنگانہ اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کو حاصل ہونے والے ووٹ کی شرح صرف 4.13 فیصد تھی، حالانکہ بی جے پی نے ریاست میں صرف ۵۸ حلقوں سے مقابلہ کیا تھا۔

۲۰۱۸ میں بی جے پی نے ۱۱۸ سیٹیوں پر مقابلہ کیا اور اس کو حاصل ہونے والے ووٹ کی شرح سابق کے مقابلہ میں بڑھ کر 6.98 فی صد ہو گئی۔

ابھی حال میں ۲۰۲۳ میں بی جے پی نے ۱۱۱ حلقوں سے مقابلہ کیا، باقی ۸ حلقوں سے این ڈی اے کی ایک اور حلیف ''جنا سینا پارٹی'' نے مقابلہ کیا، ۲۰۲۳ کے انتخابات میں ریاست میں بی جے پی کو حاصل ہونے والے ووٹ کی شرح مزید بڑھ کر 13.90 فیصد ہو گئی۔

۲۰۱۴ کے ریاستی انتخابات میں بی جے پی کو ۵۸ حلقوں میں بیس لاکھ سے زیادہ (2,000,677) ووٹ حاصل ہوئے تھے۔

جبکہ ۲۰۲۳ میں ریاست کے ۱۱۱ حلقوں میں بی جے پی کو تیس لاکھ سے زیادہ (3,257,511) ووٹ حاصل ہوئے ہیں۔

۲۰۲۳ میں وہ ۱۸ اسمبلی حلقوں میں جیت کر آئی اور ۱۹ حلقوں میں وہ دوسرے نمبر پر ہے۔

ریاست میں بی جے پی کے ووٹ کی بڑھتی ہوئی شرح

ہر انتخابات میں سابق کے مقابلہ میں بی جے پی کی بڑھتی ہوئی ووٹ کی یہ شرح نہایت تشویشناک ہے، غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا ریاستی سطح پر ملت کے درمیان اس پہلو سے کوئی فکر ہو رہی ہے؟

کسی بھی ملی جماعت کے پاس سنجیدہ طور پر اس مسئلہ کے حل کے لئے کیا کوئی لائحہ عمل بنایا جارہا ہے؟ ریاست میں اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے نہ کوئی لائحہ عمل ہے نہ سنجیدہ غور و فکر ہو رہا ہے۔

حالیہ ریاستی انتخابات میں مسلمانوں نے خود اپنے بدترین انتشار سے فرقہ پرستوں کو زبردست فائدہ پہنچایا ہے۔

حالیہ ریاستی انتخابات ۲۰۲۳ میں ملت کے بدترین انتشار اور دو الگ الگ پلیٹ فارموں سے کانگریس یا بی آر ایس کی ''علی الاطلاق تائید'' کے نتیجہ میں متعدد حلقوں میں فرقہ پرستوں کی جیت کی شکل میں ملت کو جو شدید نقصان ہوا اس کو بھی تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے، یہاں دیگر مضامین کے تسلسل کی ضرورت کے پیش نظر اس تجزیہ کو ہم الگ سے ذکر کریں گے۔

سیکولر پارٹیاں یا باہمی اتحاد

ہمارے بعض حلقوں میں آج بھی ملی مسائل کے حل کے بارے میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ کانگریس یا سیکولر پارٹیوں کے پاس ملت کے مسائل کا حل ہوگا، حالانکہ کانگریس یا سیکولر پارٹیوں کی تائید ہماری ثانوی پالیسی تو بن سکتی ہے، لیکن سب سے پہلے ملت کی اصل ترجیح کسی پارٹی کا لاحقہ بننے کے بجائے ملت کا اندرونی باہمی حقیقی اتحاد اور متفقہ موقف بنانے کی کوشش ہے، لیکن اس مقصد کے لئے کسی حقیقی محنت کے بغیر ہی ہمارے درمیان صرف ناامیدی کی باتیں کی جاتی ہیں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔

جب بھی سیکولر پارٹیوں پر انحصار سے متعلق سوال کھڑے کئے جاتے ہیں تو ایک غیر متعلقہ بحث شروع کردی جاتی ہے کہ ہمارے پاس متبادل کیا ہے۔ سوال سیکولر پارٹیوں کے حلیف بننے کے بارے میں نہیں اٹھائے جارہے ہیں بلکہ منتشر رہ کر ان پر

انحصار کرنے پر سوال اٹھائے جارہے ہیں، اور کسی پارٹی پر انحصار کے بجائے باہمی اتحاد کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔

اصل سوال یہ ہے کہ کانگریس یا دیگر سیکولر پارٹیوں کی تائید ہم اپنے انتشار اور بکھراؤ سے کریں گے یا باہمی اتحاد کے بعد کریں گے۔

جواب بہت واضح ہے کہ ملت اپنے اندورنی انتشار کو ختم کرکے باہمی اتحاد پیدا کرے اور بنیان مرصوص بن کر باہمی اتحاد کے ساتھ کسی کے ساتھ حلیف بنے، تو ملکی سیاست میں وہ آج بھی انقلاب برپا کرسکتی ہے، اس کے بغیر ملت صرف فرقہ پرست ہی نہیں بلکہ سیکولر پارٹیوں کے ہاتھوں بھی محض کھلونا بنی رہتی ہے جیسا کہ ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے اتحاد سے غیر مسلم متحد ہوگا، اور اس میں سراسر نقصان ہے، یہ ایک شدید غلط فہمی ہے، اس پر کچھ زیادہ تفصیل سے ہم آگے بھی بات کریں گے البتہ یہاں مختصراً یہ عرض ہے کہ ملت کا اتحاد بہر صورت خیر ہے، اور جب ملت متحدہ طور پر کسی سیکولر پارٹی کی تائید کرے گی تو وہ ملت کے اتحاد کا دیگر سیکولر اقوام کے ساتھ اتحاد ہوگا اور اس سے صرف فرقہ پرست کا نقصان ہوگا، لیکن اس مقصد سے جدوجہد کو صرف نظریاتی طور پر محض خدشات کی بنیاد پر رد کردیا جاتا ہے۔

فرقہ پرستوں کے مقابلہ میں ''کانگریس یا دیگر پارٹیوں کا سیکولر کردار، اور ملت کو ان کی ضرورت'' ایک غور و فکر کا موضوع ہو سکتا ہے کہ سیکولر پارٹیاں فرقہ پرستوں کے مقابلہ میں غنیمت ہیں، وہ دستوری اقدار کی نفی نہیں کرتے، ملک کے سیکولر کردار کی بات کرتے ہیں، اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی بات کرتے ہیں، ہندو مسلم سیاست کی مخالفت کرتے ہیں، بلڈوزر سیاست نہیں کرتے، مساجد و مدارس کے

خلاف کارروائی نہیں کرتے، اقلیتوں کے حق شہریت کو مخدوش کرنے کی بات نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ یہ درست ہے۔

لیکن سیکولر پارٹیوں کی جانب سے ہماری اصل ضرورت اتنی نہیں ہے، بلکہ ملت اور ملک کے تمام پچھڑے ہوئے طبقات کے لئے اصل مسئلہ سیکولر پارٹیوں کا اپنے دور اقتدار میں ''عدل اجتماعی'' کے ''دستوری اقدار'' کو قائم رکھنے کے لئے دیانتدارانہ کوشش کرنا ہے، اور ملک میں جہاں کہیں بھی دستوری اقدار اور عدل اجتماعی کے خلاف ''نظریہ اور رویہ'' ظاہر ہو اس سے سختی سے نمٹنے میں درست قانونی رویہ اپنانا اور کسی بھی قسم کی لاپرواہی اور جانبداری نہ برتنا ہے، اور ایسے کسی بھی نظریہ اور رویہ کو جو دستور کے خلاف ہے کسی کوتاہی کے بغیر سختی سے ختم کرنا ہے، یہ ملک کی اور ہماری اصل ضرورت ہے۔

ملک میں فرقہ پرستوں کے اقتدار میں آنے سے پہلے سیکولر پارٹی/کانگریس ہی اقتدار میں تھی لیکن بد قسمتی سے اس سے یہی بنیادی مسائل تھے کہ وہ دستوری اقدار اور قانون کے نفاذ میں عدل اجتماعی کے تئیں دیانت دار اور متحرک نہیں تھی، اور ان کی یہی بد دیانتی موجودہ حالات کی بہت حد تک ذمہ دار ہے، اس لئے محض سیکولر پارٹیوں کا اقتدار مسائل کا حل نہیں ہے، موجودہ حالات سے بچنے کے لئے دوبارہ ان پر انحصار کرنا کبھی مسائل کا حل نہیں ہو سکتا، بلکہ ملت کا باہم وہ اتحاد جو سیکولر پارٹیوں کو اپنے رویہ میں دستوری اقدار اور عدل اجتماعی کے تئیں دیانتدارانہ بدلاؤ لانے پر مجبور کرے، اور سیکولر پارٹیوں کو دستوری تقاضوں کی تکمیل کا پابند بنائے، یہ ملک کی اور ہماری سب سے پہلی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے لئے ملت کا اتحاد ضروری ہے، اور ملت کا انتشار خود سیکولر پارٹیوں کو دستوری مقاصد سے انحراف کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

دستوری اقدار اور سیکولر پارٹیوں کا رویہ

فرقہ پرست بھی آج کانگریس، نہرو اور کانگریسی پالیسیوں پر انگلی اٹھاتے ہیں لیکن ہمارا اعتراض کانگریس پر جدا ہے، کانگریس دور اقتدار جو ملک کا طویل ترین دور تھا اس میں دستوری اقدار کا دیانتدارانہ نفاذ کبھی نہیں رہا، اور یہی ملک و ملت کے مسائل کا اصل سبب بنا ہے جس کے لئے بلاشبہ کانگریس ذمہ دار ہے۔

کوئی دستور اور قانون کتنا ہی عدل اجتماعی کی بات کرے نفاذ کے بغیر وہ محض ایک خوبصورت ادب ہے، جب تک اس کا نفاذ نہیں ہوگا وہ عدل اجتماعی کا ضامن نہیں بن سکتا، اور جمہوریت میں حکمران اور برسر اقتدار پارٹی وہ مکمل اختیارات رکھتی ہے جو عدل اجتماعی کو نافذ کر سکے اور فرقہ پرستوں اور نسل پرستوں سے صحیح طور پر نمٹ سکے۔

کانگریس دور اقتدار میں صرف رواداری کا ایک عنصر تھا اور کچھ دیگر امتیازات تھے جو موجودہ فرقہ پرست صاحب اقتدار طبقہ کے پاس نہیں ہے باقی دستوری اقدار سے انحراف میں کانگریس دور اقتدار میں بھی یہی حال تھا۔

مثلاً مذہبی آزادی ((LIBERTY)) کے خلاف آزادی کے بعد سے فرقہ پرستوں نے خود کانگریس دور اقتدار میں علانیہ انحراف کیا ہے، فرقہ پرست اقلیتوں پر بدترین ظلم کرتے رہے، لیکن اس پر قابو پانے کے لئے کانگریس حکومت نے کبھی سنجیدہ کوشش نہیں کی، بلکہ مجرمانہ غفلت برتتی رہی، اس بات کے صریح شواہد موجود ہیں کہ اپنی راجنیتی کے لئے اس نے ملک میں مذہبی مسائل پیدا ہونے دیئے، اور ایسے مسائل کو اپنی سیاست کے لئے پالتے رہے، ملک کے مختلف خطوں کے بدترین فسادات، منصوبہ بند طور پر اقلیتوں کی معیشت کی تباہی، بابری مسجد کا انہدام وغیرہ تک

کی تاریخ اسی دوغلی پالیسی کا حصہ ہے، یہ سب دستوری اقدار کے نفاذ میں بدترین کوتاہی کا ہی نتیجہ تھا۔

کانگریس دور اقتدار میں یہی حال ملک میں سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف (JUSTICE)، سے متعلق رہا، پچھڑوں کو سماجی انصاف دلانے میں کانگریس دور اقتدار کی سنجیدہ کوششیں چند قوانین سازی تک محدود رہیں، جبکہ سماج میں زمینی سطح پر اس کے لئے مطلوبہ کوشش نہیں کی گئی، اور نسل پرست طبقہ کی فرعونیت اور جاتی واد کا ظلم ہمیشہ جاری رہا، اور آج بھی جاری ہے، بہوجن سماج آج بھی شکایت کرتا ہے کہ اس کو سماجی انصاف نہیں دیا گیا، انہیں نسل پرستوں اور منووادیوں کی جانب سے آج بھی انسانی صفوں میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور ان کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک کیا جاتا ہے، آج بھی ملک کے بے شمار گاؤں اور بستیوں میں جاتی واد کا گہرا اثر موجود ہے، کون انکار کر سکتا ہے کہ پچھلے ۷۵ سالہ دور اقتدار میں ہمیشہ قدیم طبقاتی نظام کے استحکام کے لئے منظم کوششیں ہوتی رہیں اور کئی ریاستوں میں پچھڑوں پر ظلم جاری رہا اور اس ظلم کے خلاف زمینی سطح پر کماحقہ محنت نہیں ہوئی، آج ۷۵ سال کے بعد بھی بہوجن سماج اپنے باوقار انسان ہونے کی لڑائی لڑ رہا ہے، بلکہ بہوجن سماج اس معاملہ میں فرقہ پرستوں اور کانگریس کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا، بلکہ دونوں کو ایک قرار دیتا ہے، اس پہلو کو آگے ''برادران وطن سے اتحاد'' کے عنوان کے تحت مزید تفصیل سے واضح کیا جائے گا۔

کانگریس دور اقتدار میں معاشی انصاف کے دستوری حق سے متعلق پچھڑوں کے ساتھ اقلیتوں پر بھی بدترین ظلم کیا گیا، خاص طور سے مسلمانوں کو معاشی طور پر تباہ کر دیا گیا، اور صرف نصف صدی میں ہی انہیں دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا گیا، جبکہ

کانگریس دور اقتدار میں شروع سے نسل پرست اور سرمایہ دار طبقہ ملکی عوامی وسائل لوٹتے رہے، اور کمزور طبقات اور اقلیتوں کو محروم کرتے رہے، یہ سب کانگریس دور کے ہی کارنامے ہیں، تواس رویہ کے بعد کانگریس کے کونسے فضائل گنائے جاتے ہیں۔

دستوری حق ''حیثیت اور مواقع کی برابری''(EQUALITY) میں کانگریس دور اقتدار میں صرف کوتاہی نہیں برتی گئی، بلکہ خاص کر مسلمانوں کو حیثیت اور مواقع کی برابری میں منصوبہ بند طریقہ سے پیچھے دھکیلا گیا، چاہے حکومتی ملازمتوں کے مواقع ہوں یا ملکی اور حکومتی مفاد عامہ کے تحت آنے والے وسائل ہوں سبھی سے فائدہ حاصل کرنے کے مواقع میں مسلمانوں کو مجرمانہ حد تک جان بوجھ کر نظرانداز کیا گیا۔

قانون میں انصاف اور برابری کے حق میں کانگریس دور اقتدار میں جو جانبداری اور امتیاز برتا گیا اس کی مستقل تاریخ ہے، ملک کی ۶۰ سالہ تاریخ اس کی گواہ ہے، ملک میں نقض امن کے ذمہ داروں کو کھلی چھوٹ فراہم کرنا، فرقہ پرستوں اور نسل پرستوں کو پچھڑے ہوئے طبقات اور اقلیتوں کے خلاف ظلم کی آزادی دینا، ظالموں کو چھوڑ کر مظلوم طبقات کے بے قصور نوجوانوں کی گرفتاریاں، معصوم نوجوانوں کے کئی کئی سال، دہے بلکہ پوری عمریں جیلوں میں تباہ کرنا، کمزور طبقات میں خوف ودہشت پیدا کرنا، وغیرہ یہ صرف پچھلے ۱۵ سال کی نہیں بلکہ ۵۷ سال کی تاریخ ہے۔

کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ کانگریس دور اقتدار میں فرقہ پرست پچھڑے ہوئے طبقات اور اقلیتوں پر ظلم کرنے کے لئے آزاد تھے۔ مذہبی آزادی پر قدغن لگانے، مساجد کے احترام کو مجروح کرنے، اقلیتوں اور پچھڑوں کی جان واملاک

کو پامال کرنے، ملک کے وسائل اور حکومتی ملازمتوں پر قبضے کرنے، سماجی، معاشی و سیاسی جرائم میں قانون اور انصاف کی دھجیاں اڑانے اور نہ صرف فرد بلکہ ملک کی کروڑوں پر مشتمل آبادیوں کے وقار کو مجروح کرنے کے لئے پچھلے ۷۵ سال میں فرقہ پرست آزاد تھے۔ اور کانگریس دور اقتدار کی کوتاہیوں نے ہی فرقہ پرستوں کو موجودہ حالات کے لئے طاقت کے مواقع فراہم کئے ہیں، ان امور پر گہرائی سے غور و فکر کئے بغیر آج بھی انہیں مدعیان سیکولرازم پر ملت کا انحصار کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ کانگریس نے براہ راست ہندو مسلم راجنیتی سے اپنا پلڑا جھاڑا ہے، دستور بدلنے کی بات بھی کانگریس دور میں نہیں تھی، مدارس یا بستیوں پر بلڈوزروں کی سیاست بھی کانگریس کے دور میں نہیں تھی لیکن اس کھلے بھدے پن سے ہٹ کر ایک مکھوٹے کے ساتھ یہی روش خود کانگریس دور اقتدار میں بھی تھی، اقلیتوں کے بنیادی مسائل سے کانگریس کے دور میں بھی مجرمانہ غفلت برتی گئی، دستوری اقدار کے نفاذ میں دیانتدارانہ کوشش کانگریس میں بھی کبھی نہیں رہی، کانگریس دور اقتدار سے بنیادی شکایت یہی ہے کہ اس نے دستوری اقدار کو نافذ کرنے، اور ہر طبقہ کے دستوری حق کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے اقتدار کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا، نیز دستوری اقدار کو پامال کرنے والوں کے ساتھ کبھی بھی صحیح قانونی رویہ نہیں اپنایا، بلکہ ان کی پشت پناہی کرتی رہی۔

فرقہ پرستوں کے بجائے کانگریس یا سیکولر پارٹیاں ملت کی ایک ضرورت ہو سکتی ہیں، لیکن ملت کو یہ بات صاف سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کوئی سیکولر پارٹی اس کی اپنی نہیں ہے، کسی کو اس کے مسائل حل کرنے سے دلچسپی نہیں ہے، بلکہ ہر ایک ملت کو مجبور بنا کر اس سے مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے، ہر ایک اس کے ووٹ بٹورنا چاہتا

ہے لیکن اس کے ساتھ حقوق کو سنجیدہ طور پر فراہم کرنے کی فکر نہیں کرتا ہے، اس لئے ملت کو اپنے موجودہ رویہ میں اتنی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے کہ اپنے بکھراؤ کے ساتھ کسی پر انحصار کرنے کے بجائے باہمی اتحاد کے ساتھ بنیان مرصوص بن کر وہ سبھی کو احساس دلا سکتی ہے کہ ملت کے مقاصد کو نظر انداز کر کے ملت کے ووٹ حاصل نہیں کئے جا سکتے، اور ملت کے ووٹ کی عظیم قوت کو بے حیثیت نہیں کیا جا سکتا، اگر ملت آج بھی اپنا باہمی اتحاد بنا پائے تو آج سیکولر پارٹیاں ہی نہیں بلکہ فرقہ پرست بھی ملت سے مذاکرات (Political bargain) کی میز پر آنے کے لئے مجبور ہو سکتے ہیں۔

سیکولر پارٹیوں سے مزید دیگر مسائل

اپنی اجتماعیت کو متحد کئے بغیر، اور باہمی انتشار کو ختم کر کے اپنے ووٹ کی افرادی قوت کو مجتمع کئے بغیر کانگریس یا سیکولر پارٹیوں کی چھتر چھایہ میں پہنچنے اور ان کا لاحقہ بننے کا خیال، اور ان پر انحصار کرنا نہ کل ہمارے مسائل کا حل تھا اور نہ آج ہے، اس پر متعدد مزید پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

کانگریس کے بارے میں گمان ہے کہ وہ ملک میں آج بھی ایک بڑی قوت ہے، لیکن بابری مسجد کے انہدام کے بعد سے کانگریس کا زوال شروع ہوا تو آج تک وہ ملک میں اپنے دم پر حکومت نہیں بنا سکی، درمیان کے دس سالہ ایک دورانیہ میں وہ اپنے اتحادیوں کے سہارے مرکز میں حکومت میں رہی، لیکن اب کانگریس نے اس میعادی دورانیہ کی کشش بھی کھو دی ہے، اور اس کو بزعم خود سیکولر پارٹیوں کو متحد کرنا بھی مسئلہ بن گیا ہے، جیسا کہ انڈیا اتحاد میں اس وقت صورت حال ہے، اس واضح صورت حال

میں ملی سطح پر کانگریس کی چھتر چھایہ میں جانے کا خیال مہمل اور کانگریس یا دیگر سیکولر پارٹیوں کو اپنے مسائل کا اولین حل سمجھنا نادانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حال ہی میں ۲۰۲۳ کے اواخر میں سمجھا جارہا تھا کہ ۵ ریاستی انتخابات میں کانگریس کو اکثر جگہوں پر اقتدار حاصل ہوگا، اور ایسا ہوتا تو اس کا مثبت اثر ۲۰۲۴ کے عمومی انتخابات پر ہوتا لیکن پھر دیکھنے میں آیا کہ کانگریس کو صرف تلنگانہ میں اقتدار ملا، باقی ۴ ریاستوں میں سے چھتیس گڑھ اور راجستھان جہاں کانگریس پہلے سے اقتدار میں تھی وہاں بھی وہ اقتدار سے محروم ہوگئی۔

ان ریاستوں میں کانگریس کے اقتدار سے محروم ہونے کی کئی وجوہات بتلائی جا رہی ہیں اور ان میں سے ایک میں اس کے ''عدل اجتماعی'' کے کردار پر بھی اعتراضات کئے گئے ہیں، چھتیس گڑھ میں کانگریس پر الزام ہے کہ وہاں کانگریس حکومت آدیواسی برادریوں سے متعلق مسائل سے نمٹنے میں صحیح کردار نہیں نبھا پائی۔ ریاست کے بعض حصوں میں کانگریس اقتدار میں بھی عیسائی قبائلیوں کو مذہب تبدیلی کے معاملے پر سماجی بائیکاٹ اور حملوں کا سامنا کرنا پڑا، بعض نازک معاملات جیسے بی جے پی کے دور حکومت میں قبائلی علاقوں میں کلاس 3 اور 4 کی تمام نوکریاں آدیواسیوں کے لیے مخصوص کی گئی تھیں، لیکن کانگریس اقتدار کے دوران چھتیس گڑھ ہائی کورٹ نے اس کے خلاف فیصلہ سنایا، اس موقع سے بی جے پی نے بگھیل/کانگریس حکومت پر نشانہ بنایا کہ حکومت نے عدالت میں اس مقدمہ میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی، اور اس مقدمہ میں آدیواسیوں کے حقوق کے لئے عدالت میں صحیح نمائندگی نہیں کی، ان پہلوؤں کے علاوہ کانگریس پر انتہاء درجہ کی بدعنوانیوں کے الزامات الگ ہیں۔ موجودہ حالات کے تناظر میں کانگریس پر یہ الزامات کوئی معمولی نوعیت کے نہیں ہیں، خاص کر عیسائیوں اور

آدیواسویوں کی شکایات بہت اہم ہیں، یہ براہ راست دستوری حقوق کے تحفظ میں ناکامی سے متعلق شکایات ہیں۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بی جے پی کو شکست دینے کے لئے ضروری اتحاد سے خود کانگریس کئی جگہوں پر منحرف ہو جاتی ہے، ۲۰۲۳ ریاستی انتخابات میں مدھیہ پردیش میں کانگریس کے اقتدار میں آنے کے امکانات روشن تھے لیکن یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ بی جے پی کو شکست دینا چاہتی ہے تو ''انڈیا اتحاد'' میں سے ''عاپ اور سماج وادی پارٹی'' سے اتحاد کر کے انتخابات میں مقابلہ کرے لیکن کمل ناتھ نے اس تجویز کو رعونت سے ٹھکرادیا کہ کانگریس اپنے دم پر جیت سکتی ہے، اور اس غلطی سے بری طرح ہار گئی۔

یہ ایک بڑا مسئلہ ہے، کانگریس میں ایک خاص قسم کی رعونت ہے، آزادی کے بعد سے ملک میں سب سے زیادہ طویل دور اقتدار اسی کے پاس رہا، لیکن ملکی سطح پر بی جے پی نے اور ریاستی سطح پر علاقائی سیاسی پارٹیوں نے کانگریس کے اس زور کو ختم کر دیا، مگر اس کے باوجود کانگریس کو ماضی کی سطوت ہمیشہ دھوکہ میں مبتلا رکھتی ہے اور آج بھی چھوٹے چھوٹے واقعات اس کو اس زعم کا شکار کر دیتے ہیں کہ وہ تنہا ملک میں بھاری اکثریت کے ساتھ جیت جائے گی، یا اکثر ریاستوں میں بغیر اتحاد کے وہ کامیاب ہو جائے گی، جبکہ سیاسی مبصرین جانتے ہیں کہ مستقبل قریب میں کانگریس کا ملکی سطح پر تنہا اور مستقل طور پر بھاری اکثریت سے جیتنا یا اکثر ریاستوں میں بھی تنہا حکومت میں آنا اور بی جے پی کو شکست سے دوچار کرانا ناممکن ہو گیا ہے، ہاں اگر ملک میں کانگریس اور دیگر سیکولر ازم کی دعویدار پارٹیاں بی جے پی کے مقابلہ میں حقیقی حلیف بن جائیں تو اس کی امید کی جاسکتی ہے، لیکن اسی دوران گاہے گاہے کانگریس اس حقیقت کو قبول نہیں کر

پاتی ہے کہ وہ مؤثر حلیفوں کو یکجا کئے بغیر تنہا ملک میں یا اکثر ریاستوں میں اقتدار میں واپس نہیں آسکتی ہے۔ اس لئے انتخابات کے موقع پر بہت مجبوری میں وہ دیگر حلیف جماعتوں کے ساتھ جڑ تو جاتی ہے لیکن وہ یا اس کے ریاستی قائدین موقع بموقع علیحدگی پسندی کی راہ چنتے ہیں، اور اس علیحدگی پسندی کے زعم میں وہ بار بار منہ کی کھاتے ہیں جیسا کہ مدھیہ پردیش میں دیکھنے میں آیا۔

ان ہمہ جہت وجوہات سے ان ریاستوں میں کانگریس اقتدار حاصل کرنے سے محروم رہی، ، ایسی صورت حال میں صرف کانگریس کی علی الاطلاق تائید کو اپنے مسائل کا حل سمجھنا مشکل ہے، ملت کو اپنے اتحاد سے متبادل راہوں کی تلاش اور متحدہ طور پر مضبوط حکمت عملی پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

سیکولر پارٹیوں کا ''نظریاتی اساس'' میں اضمحلال یا انحراف

ایک نہایت نازک پہلو یہ بھی ہے کہ کانگریس یا دیگر سیکولر پارٹیاں فرقہ پرستوں کے خوف کا شکار ہو کر اقلیتوں سے اپنا پلڑا جھاڑتے ہوئے بھی دکھائی دے رہی ہیں، طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وہ مسلم اقلیت سے ووٹ حاصل کرنے کی دوڑ میں اسی طرح لگی ہوئی ہیں جیسے پہلے تھیں، لیکن مسلمانوں کو مسلسل اچھوت بنایا جارہا ہے، انتخابی امیدوار مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ تصویروں میں آنے سے بھی گریز کرنا چاہتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ سیکولر پارٹیوں کے اکثر امیدواروں کا عمومی طور پر اپنی نظریاتی اساس پر باقی نہ رہنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ کانگریس آج بھی اپنی نظریاتی اساس سیکولرازم کو ہی بتاتی ہے، فرقہ پرستی کی مخالفت کی بات بھی کرتی ہے، آر ایس ایس کی مخالفت کرتی ہے، دھرم کو راجنیتی نہ بنانے کی بات کرتی ہے، لیکن ایک طرف اس کے ماضی کے احوال ہیں جن کو

اوپر ذکر کیا گیا ہے دوسری طرف موجودہ کانگریس اور اس کے اکثر قائدین کے احوال ہیں تو صاف اندازہ ہوتا ہے کہ پارٹی کی نظریاتی اساس اور سیکولر کردار سے چند لیڈروں کے علاوہ ملک میں پھیلے ہوئے اکثر سیاسی لیڈروں کو عملاً کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔

حتی کہ انتخابات کے موقع پر ملک کے الگ الگ علاقوں میں بدنام زمانہ فرقہ پرست سیاسی امیدوار پارٹی بدل کر کانگریس میں آنا چاہتے ہیں تو کانگریس میں وہ قبول کر لئے جاتے ہیں، اس طرح کے امیدواروں کی شمولیت سے انتخابات کے بعد اس کا اثر پارٹی کے رویہ اور عملی اظہار پر ہوتا ہے۔

پارٹی میں دھرم کی راجنیتی کا دوسروں کو الزام دینے والے قائدین خود بھی دھرم کی راجنیتی میں کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے ہیں۔

یہ کانگریس کی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے لیکن ملت کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ کسی سیکولر پارٹی کا انتخابات کی سیاسی ضرورت سے فرقہ پرست امیدواروں کو اپنے درمیان قبول کر لینا ایک طرف کانگریس کے سیکولرازم سے نظریاتی انحراف کی نشانی بنتا جارہا ہے۔

یہی حال کانگریس کے ان اتحادیوں کا بھی ہے جن پر ۲۰۲۴ کے پس منظر میں بھروسہ کیا جارہا ہے کہ وہ ملک میں کوئی انقلاب برپا کر دیں گے، اول تو ان اتحادیوں میں بھی کئی ملک کے سیکولر کردار کے نظریہ سے کھلا یا چھپا ہوا انحراف رکھتے ہیں۔

ایسے میں ان پارٹیوں کا علی الاطلاق کا لاحقہ بننے کے بجائے ملت میں باہمی اتحاد کے لئے سنجیدہ محنت کرنا ضروری ہو جاتا ہے، ورنہ موجودہ انتشار کے ساتھ بے بھروسہ سہاروں پر تکیہ سے مسائل کے حل کی جانب کوئی پیش رفت ہونے کا خیال خود فریبی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

بی جے پی سے عوامی شکایات کا ۲۰۲۴ کے نتائج پر اثر اور انڈیا اتحاد کے لئے امکانات

اس وقت بے جے پی مخالفین کے ''انڈیا اتحاد'' کی حیثیت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اس تجزیہ کا براہ راست ۲۰۲۴ کے انتخابات سے بھی تعلق ہے، لیکن ساتھ ہی مستقبل بعید کے حالات بھی دیکھنے ہوں گے جن میں ان اتحادیوں کی فکری ہم آہنگی کی مضبوطی اور اپنے مفادات کے لئے انحراف اور علیحدگی پسندی کے درجہ کو پرکھنے کی بھی ضرورت ہے،

یہ سامنے آچکا ہے کہ اس اتحاد میں شکست وریخت ہوتی رہتی ہے، جیسے بہار میں نتیش کمار نے علیحدگی اختیار کی تھی، موجودہ اتحادیوں میں بھی بہت مضبوط تعلقات نہیں ہیں۔

بی جے پی تو پروپیگنڈہ کررہی ہے کہ اس بار ۲۰۲۴ میں قوم اس کو ماضی سے بھی زیادہ بھاری اکثریت سے جتائے گی حالانکہ ملک میں اس وقت اکثر طبقات بی جے پی کو شکست دلانے کے درپے ہیں، یہ صرف مسلم اقلیت ہی نہیں ہے بلکہ ملک کے اکثر طبقات گاندھی وادی، امبیڈکر وادی، سماجوادی، سیکولر ہندوستانی، دلت، ایس سی ایس ٹی اور او بی سی کی اکثریت، سکھ، عیسائی سبھی چاہتے ہیں کہ بی جے پی دوبارہ اقتدار میں نہ آئے بلکہ ملک کے ماحول میں تبدیلی کے لئے اور ملک کی ترقی کے لئے بدلاؤ ضروری ہے۔

وکاس کے نام پر آنے والی بی جے پی ملک اور ملکی عوام کے مسائل کو حل کرنے اور ترقی کے تمام شعبوں میں پچھلے دوٹرم کا موقع ملنے کے باوجود بری طرح ناکام رہی ہے، اور اس نے ملک کی عوام سے جتنے وعدے کئے تھے ان سب میں غلط ثابت ہوئی ہے۔

سالانہ ۲ کروڑ نوکریاں، پیٹرول ۳۵ روپے فی لیٹر، سلینڈر کی قیمت پر قابو، کالے دھن کو واپس لانا وغیرہ سب جملے ثابت ہوئے ہیں۔

اس دور اقتدار میں گلوبل ہنگر انڈیکس میں ملک کا ریکارڈ بگڑ گیا، غربت کا انڈیکس بگڑ گیا، عالمی امن انڈیکس میں ملک کا ریکارڈ بگڑ گیا، خوف (ڈر) اور جوع (بھوک) ملک کا بڑا مسئلہ بن کر ابھرے ہیں۔

اس حکومت نے عوامی جوابدہی اور میڈیا کے سامنے آکر بات چیت کو صفر درجہ تک پہنچادیا۔ عوامی وسائل کو لوٹنے کے لئے سرمایہ داروں کو کھلی چھوٹ دی، اور ملکی دولت کو چند لوگوں کے ہاتھ میں مرکوز کردیا، اسکامس کا نیا ریکارڈ بنایا۔

غیر منصوبہ بند نوٹ بندی کرکے عوام کو بے بس کردیا اور چھوٹے کاروبار اور کاروباریوں کو برباد کردیا۔

غیر منصوبہ بند لاک ڈاؤن کرکے عوام میں افراتفری مچائی اور اور مزدوروں کو بے یادومددگار روڈوں پر بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔

دستوری اقدار کو پامال کرنے والوں کو کھلی چھوٹ دی، عدلیہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی، میڈیا کو ہائی جیک کیا، جمہوریت کو عملاً آمریت میں بدل دیا، بلڈوزر کی سیاست کا چلن شروع کیا۔

بلڈوزر اور غنڈوں کی کارروائیوں سے بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کی تصویر کو نقصان پہنچا۔

ملکی بنیادی مسائل کو پیٹھ پیچھے ڈال کر غیر ضروری بلکہ ملک کے خلاف مسائل کو ترجیح دی اور تاریخ، تعلیم، سینما، کرکٹ سب کو زعفرانی بنانے میں لگی رہی۔

مجرموں، عصمت دری کرنے والوں اور بدعنوان سیاسی لیڈروں کی پشت پناہی کر کے ان کو اپنی سیاست کے لئے استعمال کیا۔

خواتین کی حفاظت وتحفظ مخدوش ہوئی، خواتین ریسلرز کی تذلیل ہوئی، بلقیس بانو کے مجرمین کو رہا کرنے کی کوشش کی گئی، منی پور کا شرمناک واقعہ پیش آیا۔

اس دور اقتدار میں اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز بیانات اور تقاریر کو سند جواز دیا گیا، ماب لنچنگ کا چلن چل پڑا، اور ماب لنچنگ کرنے والوں کے خلاف قانون و انتظامیہ سے درست رویہ نہیں دکھایا گیا، ٹرین میں شوٹنگ جیسے واقعات پیش آئے۔

اظہار رائے کی آزادی کو دبایا گیا، پر امن احتجاجوں کو روکا گیا، کسانوں کے احتجاج کو ملک دشمن قرار دیا گیا، شاہین باغ کی مخالفت کی گئی۔

موجودہ حکومت سے عوامی ناراضگی اور شکایات کی فہرست کافی طویل ہے، بی جے پی کے لئے ان اعتبارات سے ۲۰۲۴ کے یہ عمومی انتخابات کوئی آسان مسئلہ نہیں رہے ہیں۔اور ممکن ہے اس سے انڈیا اتحاد کو فائدہ ہو، اور ۲۰۲۴ میں وہ کامیاب ہو جائے، اور انڈیا اتحاد اقتدار میں آجائے، اس میں شک نہیں کہ موجودہ فرقہ پرستوں کے اقتدار کے مقابلہ میں یہ وقت کی ضرورت بھی ہے، بلاشبہ اس کے لئے جدوجہد بھی ہونا چاہئے، جیسا کہ ہم سب اپنے اکابر کے ساتھ اس کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تاکہ دستور اور دستوری اقدار سے منحرف جماعت کو شکست ہو اور ملک میں بدلاؤ آئے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ انڈیا اتحاد اقتدار میں نہ آئے تب بھی ممکن ہے کہ وہ کم از کم مضبوط اپوزیشن بن جائے، اور فرقہ پرستوں کی موجودہ بدمستیوں پر تب بھی کچھ بندھ لگے گا۔

البتہ انڈیا اتحاد کا اقتدار حاصل کر لینا ملت کے اصل مسائل کا حل نہیں ہے، اصل مسئلہ جس پر توجہ مرکوز ہونے کی ضرورت ہے وہ صاف ہے کہ مستقل ایسے کسی

بھی اتحاد پر انحصار نہیں کیا جا سکتا، یہ کہنا کہ بی جے پی کے مخالف اس اتحاد میں اصل محرک ملک کے سیکولر کردار کی حفاظت ہے، یہ دعوی محل نظر ہے، اس اتحاد کے کئی حلیف اپنے غیر سیکولر کردار کے لئے معروف ہیں۔ دوسرے یہ تمام سیاسی پارٹیاں دستوری نظریہ اور حقوق کی بنیاد پر سیاست کرنے کے بجائے یا تو اکثر جاتی واد سے متاثر ہیں یا پھر سیاست کو انسانی بنیادی حقوق کی فراہمی کے بجائے تجارت کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے ایسے میں صرف کانگریس یا اس جیسے کسی اور سیاسی اتحاد سے امید لگانا کہ وہ ملت کے مسائل کا حل ہوگا، اور ان پر انحصار کرنا صرف خود فریبی ہے۔

۲۰۲۴ میں کوئی تبدیلی ہو تب بھی

ایک اور نازک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ۲۰۲۴ میں ملک کے عمومی انتخاب میں کانگریس / یا انڈیا اتحاد اقتدار میں آجاتا ہے تب بھی بنیادی مسائل پر تشویش برقرار رہے گی، ملک کے حالات کی نزاکت برقرار رہے گی کیونکہ فرقہ پرست ملک میں ایک مضبوط قوت بن چکے ہیں، اور اس مرتبہ کے بعد اگلے پانچ یا دس سال میں پھر وہی خدشہ موجود ہے جو اب پایا جاتا ہے۔ ایسے میں کسی پر انحصار کے بجائے ملت کے باہمی اتحاد اور پوری ملت کے اشتراک سے انتخابی سیاست کی حکمت عملی بنانے اور اس پر مستقل عمل کرنے کی ضرورت بحالہ باقی رہ جاتی ہے۔

ریاستوں میں علاقائی قوتوں / پارٹیوں کے زور پکڑنے اور ہر جگہ اقلیتوں میں اعتماد کھو دینے کے بعد کانگریس کا یہ بڑا مسئلہ ہو گیا ہے کہ وہ اپنے وجود کی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے، کانگریس کی ملک بھر میں جوڑ کی یاترائیں اپنا ایک مقام بنا رہی ہیں لیکن فرقہ پرستوں نے بہت اندر تک اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی ہیں، کوئی پانچ دس سالہ میعادی تبدیلی ان جڑوں کو کمزور نہیں بنا سکتیں، اس کے لئے بہت ہی سنجیدہ، ٹھوس اور گہری

محنتوں کی ضرورت ہے باہمی بکھراؤ سے اور سیاسی پارٹیوں پر انحصار سے یہ مسئلہ اب کسی صورت حل نہیں ہو سکتا، اس کے لئے ہمیں مل کر مستقل خطوط پر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

یہ پہلو بھی سامنے رہنا چاہئے کہ ۲۰۲۴ میں ممکنہ اقتدار کی تبدیلی سے ملک کی نوکر شاہی اور افسر شاہی (Bureaucracy) میں کسی خاص تبدیلی کی توقع فضول ہے، افسر شاہی (Bureaucracy) طبقہ ہی در حقیقت ملک کی پالیسی بناتا اور انتظامیہ کو چلاتا ہے، نسل پرست اور فرقہ پرست طبقہ نے نوکر شاہ طبقہ میں گہرائی تک ہم ذہن طبقہ کو رسوخ دلانے کی زبردست محنت کی ہے، اگلے انتخابات میں ممکنہ اقتدار کی تبدیلی اس افسر شاہی طبقہ (bureaucrat) میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتی، کسی بھی حقیقی مؤثر بدلاؤ اور اپنے حقوق کے حقیقی دفاع اور تحفظ کے لئے عدل اجتماعی کے جہد کاروں کو ملی و ملکی اتحاد کے ساتھ بہت طویل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اور دستوری اقدار کی حفاظت اور ان کے نفاذ کے لئے اولین طور پر ملت کا اتحاد اور ساتھ ہی ملک میں برادران وطن میں سے وہ طبقات جو عدل اجتماعی کی جدوجہد کر رہے ہیں ان کے ساتھ اتحاد کی ضرورت ہے، برادران وطن کے ساتھ اتحاد کے پہلو کو ہم آگے مستقل بھی ذکر کریں گے۔

ملت کے اتحاد سے فرقہ پرستوں کے متحد ہونے کا خدشہ

سیکولر پارٹیوں پر انحصار کے عنوان کے تحت اس مسئلہ پر ہم نے اشارہ کیا تھا، یعنی ملت کے اتحاد کے معاملہ میں ایک موضوع یہ چھیڑ دیا جاتا ہے کہ اگر ایسی کوئی کوشش ہو تو اس سے ملت تو نہیں لیکن فرقہ پرست متحد ہو جائیں گے، یہ ایک اہم غور و

فکر کا پہلو ہے، لیکن اس کا بیانیہ مبہم طریقہ سے چلانے کے بجائے اس بات کا صحیح تجزیہ کرنا بہت ضروری ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ فرقہ پرست متحد ہوں تب بھی ملی اتحاد ضروری ہے، اس خدشہ کی بنیاد پر کہ ملت کے متحد ہونے سے فرقہ پرست متحد ہو جائیں گے اس لئے ملی اتحاد کو چھوڑ دو یہ تو کوئی بات نہیں ہے، ملت کے اتحاد کو دیکھ کر دوسرے متحد ہوں یا نہ ہوں بہر حال ملی اتحاد بہت ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اتحاد کی حقیقی محنت ہو تو فرقہ پرست کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، مسئلہ یہ ہے کہ ہم متحد نہیں ہوتے ہیں بلکہ متحد ہونے کی تشہیر شروع کر دیتے ہیں جس سے دوسرے جاگ جاتے ہیں، اور ہم سو جاتے ہیں۔

ہمارے درمیان نہ حقیقی اتحاد کی کوئی صحیح حکمت عملی ہے اور نہ ہی اشتہار بازی سے ہٹ کر کوئی صحیح جدوجہد ہے، حالیہ ریاستی انتخابات میں بھی ہم نے واویلا بہت مچایا، محنت بھی نہیں کی اور منتشر الگ رہے، تو بلا شبہ اتحاد کے ایسے اشتہار میں ضرور ملت کا نقصان ہے، اس سے فرقہ پرستوں کو ہی فائدہ ہوتا ہے، ایسی بغیر محنت کی اشتہار بازی سے گریز لازمی ہے۔

جہاں تک رہی بات اتحاد کے لئے سنجیدہ کوشش کی، اور درست خطوط پر مناسب حکمت عملی اپنا کر جدوجہد کی، تو اس کے بعد فرقہ پرست متحد بھی ہوتے ہوں تو اس سے ملت کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس صورت میں اللہ کی نصرت بھی ملی اجتماعیت کے ساتھ شامل حال ہوگی، اس لئے حقیقی ملی اتحاد کے لئے جدوجہد بہت ضروری ہے۔

ملی مرکزی جماعتیں اور ان سے توقعات

ملت کی مرکزی جماعتیں بلا شبہ آج سخت ترین حالات میں بھی بے حد اہم خدمات انجام دے رہی ہیں، اور سبھی قابل احترام ہیں، البتہ مرکزی جماعتوں کے

سامنے ملت کی چند ضروریات پر نظر ہونا چاہئے جس میں کمی محسوس ہوتی ہے، ان پر غور و فکر بھی وقت کی اہمیت ضرورت ہے، واضح ہو کہ آج کل بعض افراد جس طرح مرکزی جماعتوں یا شخصیات پر اعتراضات کا رویہ اپنا رہے ہیں ہم قطعی اس رویہ کو نہیں اپنانا چاہتے، لیکن اپنے مسائل رکھنے میں کوئی تکلف بھی نہیں برتنا چاہتے تاکہ مثبت اور مفید تبدیلی کا کوئی امکان پیدا ہو۔

(۱) ملی و اجتماعی نازک ہنگامی مسائل میں عام طور پر ملت کا مزاج یہ ہے کہ وہ مرکزی جماعتوں اور مرکزی شخصیات سے توقع رکھتی ہیں کہ ان سے کوئی رہنمائی حاصل ہو گی اور ملک میں کھڑا ہونے والا کوئی بھی ہنگامہ ہو تو اس پر ملت کے افراد اپنے علاقوں میں کس عمل یا رد عمل کا اظہار کریں؟ اس بارے میں ذہن میں پہلا تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لئے مرکزی جماعتیں ملک کی یونٹوں کو کوئی لائحہ عمل دیں گی، اور اس کے مطابق عمل کریں گے، ریاستوں اور اضلاع میں ملت کا آج بھی یہی مزاج ہے۔ لیکن ملت کے نہایت اہم ترین مسائل میں مرکزی جماعتوں کی طویل خاموشی سامنے آتی ہے، ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی رہنمائی ہو لیکن بالکل سناٹا چھایا رہتا ہے۔

ماضی میں ایک طویل عرصہ سے ایسا محسوس ہوتا کہ مسائل کے ہجوم اور قحط الرجال کے اس دور میں مرکز کی جانب سے بھی یا تو کوئی نازک مسائل پر مشورہ ہی نہیں ہوتا، اس لئے نازک ترین مسائل میں بھی ملک بھر میں پھیلے ہوئے دور دراز کے حلقوں تک مرکز کی جانب سے کوئی رہنمائی ہی نہیں ہوتی، یا کوئی مشورہ تو ہوتا ہے لیکن ملک میں پھیلی ہوئی ملت تک ''متعین حکمت عملی اور لائحہ عمل'' کی صاف رہنمائی نہیں کی جاتی، یا ہدایات جس طرح بروقت آنی چاہئے اس کے پہنچنے میں شدت سے کمی محسوس ہوتی ہے۔

یہ اس وقت کا بہت بڑا نازک مسئلہ ہے، ریاستوں اور اضلاع میں بھی ملت کے قیمتی افراد اور صلاحیتیں ہیں، جن میں کی اکثریت نوجوانوں کی ہے جو ملی مسائل میں بڑوں کی سرپرستی اور ہدایات میں حصہ لینا چاہتے ہیں، لیکن بہت سے ملی مسائل میں ان تک کوئی اجتماعی بات نہ پہنچنے سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، جس کے نتیجہ میں ملت کے نوجوانوں میں سخت بے چینی محسوس ہوتی ہے اور وہ بتدریج انتشار کے شکار ہوتے ہیں۔

ملک بھر میں یہ مسئلہ اس وقت ایک زندہ مسئلہ ہے، اور زندہ بے چینی ہے۔

اس بات کو بہت توجہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے، موجودہ نازک حالات میں نہ صرف خواص بلکہ عوام بھی ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل کے بارے میں چاہتے ہیں کہ اپنی بساط بھر ملت کے کام آئیں، ایسے میں ان کی نظر سب سے پہلے اس طرف جاتی ہے کہ اکابر، مرکزی جماعتیں اور مرکزی شخصیات کیا رہنمائی کر رہی ہیں، اس طلب کے پیچھے یہ فکر بھی کارفرما ہوتی ہے کہ مرکزی جماعتوں کی جانب سے طے کردہ موقف زیادہ درست اور محتاط ہوگا، لیکن اگر انہیں کی جانب سے مسائل پر سکوت کا رویہ سامنے آئے تو بے چینی پیدا ہونا فطری امر ہے۔ آج ریاستوں میں نہ صرف جماعتی حلقہ سے باہر بلکہ خود جماعتوں میں اندرونی طور پر یہ احساس شدید ہے کہ مرکز کی جانب سے انہیں ہنگامی مسائل پر کوئی متعین رہنمائی نہیں کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس مرکزی جماعتوں اور اکابر سے ہٹ کر دیگر لوگ میدان میں اتر جاتے ہیں، ایسے میں مرکزی جماعتوں کے لوگ کشمکش میں ہوتے ہیں کہ ملی تقاضہ پر دوسروں کے ساتھ انہیں بھی لبیک کہنا چاہئے یا جماعت کی ہدایت کا انتظار کرنا چاہئے، لیکن جب اس بارے میں مرکز سے کوئی ہدایت نہیں آتی تو یہ لوگ ایک ملی مسئلہ کے بعد دوسرے مسئلہ، اور دوسرے مسئلہ کے بعد تیسرے مسئلہ میں بتدریج ملت میں ان طبقات کے ساتھ کھڑے ہونے اور ملت کی رہنمائی کرنے میں کامیاب

نہیں ہو پاتے جو عملاً پیش رفت کر دیتے ہیں، اور اس طرح علاقائی ملی جہد کاروں کے ساتھ ہونے کے بجائے بتدریج حاشیے پر چلے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ مستقل چلا جارہا ہے، اور اس صورت حال کے ملت کے انتشار کی شکل میں بہت ہی مہیب نتائج ابھرتے جا رہے ہیں۔

اس صورت حال نے مرکزی جماعتوں اور شخصیات پر بروقت رہنمائی کرنے کی صلاحیت پر بھی سوال کھڑے کر دیئے ہیں، اور اس اعتبار سے ان پر اعتماد کو مضمحل کر دیا ہے کہ حالات کے مطابق فوراً اجتماعی مشورہ اور اجتماعی غور وفکر کر کے اپنے پیروکاروں کو مناسب لائحہ عمل فراہم کرنے کی ان میں اہلیت نہیں رہی۔ اور دوسری طرف اس تساہل سے ریاستوں میں ان سے جڑے ہوئے اصحاب میں احساس پیدا کر دیا ہے کہ جماعتوں نے ان کو معطل کر دیا ہے۔

یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ اس میں بہت حد تک ذمہ داری ریاستی قائدین کی بھی ہے جو علاقائی سطح پر بروقت مرکز اور اکابر کی ترجیحات کو منتقل کرنے میں ناکام ثابت ہوتے ہیں، بلکہ کئی ملی مسائل پر وہ بالکل سکوت کا رویہ اختیار کر کے خود بے چینی پیدا کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کا وقتی حل یہ ہے کہ ہنگامی یا نازک مسائل میں یا تو ملکی ذیلی یونٹوں تک مرکز کا یہ پیغام پہنچے کہ مرکز اس مسئلہ پر کام کر رہا ہے، اور آپ اپنے تئیں کچھ مت کیجئے صرف دعاؤں کا اہتمام کیجئے۔ یا پھر یہ پیغام پہنچے کہ مرکز اس مسئلہ پر کام کر رہا ہے آپ بھی اس کام میں یا تو مرکز میں یا ریاست میں یا ضلع میں فلاں فلاں طریقہ سے اس کام کا حصہ بن سکتے ہیں۔

بہت ہی نادر صورتوں میں ایسے پیغامات مرکزی جماعتوں سے ملت کو دیئے بھی جاتے ہیں لیکن بالعموم ملک میں پیدا ہونے والے موجودہ نازک ملی مسائل میں

مرکزی جماعتوں کی طرف سے ایسی صاف واضح اور متعین رہنمائی نہیں ملتی، اور اسی وجہ سے انتشار اور مخالف بیانیوں کا چلن بھی ہے۔ اور اسی وجہ سے بے چین طبیعتوں میں تقسیم در تقسیم کا عمل بھی جاری ہے۔ان رویوں کو صرف ''جماعت کے خلاف رویہ'' سے تعبیر کرکے رد نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا حل نکالنا اور کام کے لوگوں کو سمیٹنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

مرکزی جماعتوں کو اس کے لئے مرکزی سطح پر خصوصی کمیٹی بنانے کی ضرورت ہے، جو ملک بھر میں ریاستوں اور اضلاع کے ذمہ داروں اور ممبران سے براہ راست رابطہ کرکے اصلاح احوال کی کوشش کرے۔

(۲) ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ ملک میں پھیلی ہوئی علاقائی اہم شخصیات سے مرکزی جماعتوں اور شخصیات کے رابطے اور تعلقات استوار ہوں، جس کو دلچسپی ہو وہ خود ہم سے جڑے یہ رویہ درست نہیں ہے، یہ دور اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کرنے کا ہے، اس کے لئے علاقائی علماء و دانشوران بھی کوشش کریں اور مرکزی جماعتیں بھی اس کے لئے کوئی مؤثر نظام بنائیں۔

ہر علاقہ اور ہر ریاست میں کئی اہم شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے پیچھے ملت کے کم از کم ہزاروں متبعین ہیں، جن کی رہنمائی پر لوگ اپنے کان، نگاہ اور دل لگاتے ہیں، مرکزی جماعتوں کو انہیں اپنا حصہ بنانا یا کم از کم ان سے مستحکم تعلقات استوار کرنا چاہئے، اس کے لئے اپنی جماعتوں میں علاقائی قیادتوں کی معاصرانہ کشمکش سے احسن طریقہ سے نپٹنا اور ریاستوں کی جماعت سے باہر اہم شخصیات سے تعلقات استوار کرنے کے لئے کوئی نظم بنانا چاہئے۔

ایسی کمیٹیاں بنائی جائیں جو الگ الگ علاقوں کے باثر اصحاب سے رابطے کرکے ان سے ملاقاتیں کرے۔ مرکزی صدور یا نظماء عمومی ریاستوں کا سفر کرتے ہیں لیکن

اکثر جگہوں پر ان کی آمد و رفت کا نظام ایسا ہوتا ہے کہ علاقہ کے اہم لوگوں کی ملاقات کا کوئی خانہ اس میں شامل ہی نہیں کیا جاتا، کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مرکزی صدور یا نظماء عمومی آکر چلے بھی جاتے ہیں لیکن علاقائی اہم لوگوں کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔

بند کمروں کی ملاقاتیں، اور پروٹوکول کی بعض معاملات میں اہمیت ہو سکتی ہے، لیکن ملی مشاورت کے لئے باہم مل بیٹھنے، اور مستحکم تعلقات بنانے کو مستقل طور پر نظر انداز کرنا ملت کی اجتماعیت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

اگر مرکزی قیادتیں اپنی ذیلی یونٹوں کو ہدایات دیں کہ جب تک کسی سفر میں علاقائی اہم لوگوں سے ملاقات کی نشست کا تیقن نہ دیا جائے، اور پہلے سے مدعوئیں کی فہرست مرکز کو نہ پیش کی جائے تب تک سفر کو قطعیت نہیں دی جائے گی تو ریاستی یونٹیں اپنی حرکت کو بڑھائیں گی اور ملت میں خیر کے سلسلے بڑھیں گے اور ہر سطح پر باہمی تعلقات کی شکلیں پیدا ہوں گی۔

(۳) تیسرا ایک مسئلہ مرکزی جماعتوں کے تحت قائم ذیلی علاقائی اکائیوں کے ملی اتحاد کے لئے رویہ کا ہے۔

مرکزی قیادتوں اور جماعتوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی ذیلی یونٹوں میں علاقائی قیادتوں کو بھی اپنے اپنے علاقہ میں ''رابطہ عامہ'' کے لئے خصوصی ہدایات دے، بسا اوقات بعض جگہوں پر دیکھنے میں آتا کہ بعض علاقائی اکائیاں ملت میں باہم اتحاد کے مقصد سے دور ہیں، بلکہ کہیں رکاوٹ بھی بنی ہوئی ہیں، اور جماعتی رفقاء کو بھی وسعت قلبی کے ساتھ ملت میں باہم رابطہ کے لئے ہمت افزائی کرنے کے بجائے ملت کے باہم ربط اور جوڑ سے روکتی ہیں۔ اور اپنے اس انحراف کے لئے مرکزی جماعتوں اور قیادتوں کے نام کا بھی سہارا لیتی ہیں اور اپنے حلقوں میں یہ بات چلاتی ہیں کہ بڑے چاہتے ہیں کہ دوسروں سے رابطہ نہ رہے، جو صریح خلاف واقعہ بات ہے۔

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض علاقائی اکائیاں مرکز کے مقاصد، ترجیحات اور منہج میں تحریف کر کے اپنے ذاتی اغراض و مفادات پر مشتمل اختراعی منہج کو مرکز کے نام پر چلا رہی ہیں، حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ مرکز اس سے بالکل غافل ہے، یا اس کو نظر انداز کرتا ہے، اس سے بھی ملت میں بڑی بے چینی ہے، خود جماعت میں لوگ باہم یہ سوال کرتے ہیں کہ مرکز اس کو کیسے گوارا کرتا ہے، اصحاب نظر سمجھتے ہیں کہ یہ اس لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ قحط الرجال کے اس دور میں اس طرح کے حالات بعض لوگ پیدا کر لیتے ہیں۔

مرکزی جماعتوں اور شخصیات کو ان پہلوؤں پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، بالخصوص ملت کے باہم ربط کو بڑھانے کے پہلوؤں پر ترجیحاً توجہ دی جائے، اور اپنی علاقائی اکائیوں کو ملی اتحاد میں رکاوٹ بننے سے بچنے کے پہلو پر متنبہ کیا جائے۔

دیگر چند اور مسائل ہیں، لیکن یہاں صرف ان تین بنیادی مسئلوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اتحادی محنت کے لئے مستقل افراد کی ضرورت

ملت کو آج ایسے افراد اور نظم کی بھی ضرورت ہے جو ملت کے تمام طبقات، ملی جماعتیں، اہم دینی شخصیات، دانشوران، سیاسی قائدین، قانون کے ماہرین، ملت کے صحافیوں، عامۃ الناس وغیرہ میں صرف اتحادی محنت کے لئے وقف ہو کر کام کریں، اتحادی محنت پر پہلے بھی کام ہوا ہے، باوجود بہت سے لوگوں کے مخلص ہونے کے اس نظریہ پر سنجیدہ کوششیں نہیں ہو پائیں، جسکی بنیادی وجہ ایسے افراد اور نظم کا فقدان ہے جو اسی نظریہ کے لئے مخلص ہو کر وقف ہو کر کام کریں، اس رسالہ کے تیسرے حصہ ''کرنے کا کام'' میں ہم اس فکر کے چند اہم عملی پہلوؤں پر بات کریں گے۔

برادران وطن سے اتحاد

ملی اتحاد پر کام کے ساتھ ملت کی دوسری اہم ضرورت ''برادران وطن سے اتحاد'' بھی ہے۔ ہماری غرض یہاں ان برادران وطن سے اتحاد ہے جو نسل پرست اور فرقہ پرست نہیں ہیں، مذہب کی بنیاد پر ملت سے عداوت نہیں رکھتے، دستوری اقدار میں ملت کے ساتھ نظریاتی اشتراک رکھتے ہیں، اور خود ان پر ہونے والے ظلم کے خلاف عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد پر جدوجہد بھی کرتے ہیں۔

ملک میں ایسے طبقات سے اتحاد ملک و ملت کی ضرورت بھی ہے اور سیرت النبی علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم میں حلف الفضول اور میثاق مدینہ کے حوالہ سے ملت کی دینی ذمہ داری بھی ہے۔

حلف الفضول کے حوالہ سے مظلوموں کے ساتھ ان کی حمایت میں کھڑے ہونے اور میثاق مدینہ کے حوالہ سے سب کو مذہبی آزادی حاصل ہونے، مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے عداوت نہ رکھنے، اور ملکی سیاسی امور میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے، اور عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد پر باہمی تعلقات استوار کرنے کی راہیں ہموار کی جائیں۔

باشندگان ملک میں مختلف مزاج

یہ بالکل واضح ہے کہ ملک میں تمام طبقات یکساں نہیں ہیں، مسلم دشمنی ایک مخصوص طبقہ میں ہے، یہ منووادی طبقہ ہے، منوادی ایک نسل پرست طبقہ ہے، اور وہی

مذہب کو اپنی راجنیتی کا ذریعہ بنا کر فرقہ پرست بھی ہے، جبکہ ملک کے دیگر طبقات جنہیں دستور میں SC, ST, OBC قرار دیا گیا ہے ملک کی دیگر اقلیتوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ ان کی اکثریت عام طور پر مسلم دشمنی سے دور ہیں بلکہ وہ خود بھی بعض اعتبارات سے مسلمانوں کی طرح بلکہ ان سے بھی قدیم دور سے منووادیوں کے ظلم کا شکار ہیں، ملک آزاد ہونے کے باوجود کمزور طبقات آج بھی منووادیوں سے بنیادی حقوق، سماجی و معاشی انصاف و برابری کے لئے لڑنے پر مجبور ہیں، دستور ہند کے بہت سے تحفظات ان کو کئی مظالم سے نجات دلانے والا بنے ہیں، لیکن حقوق کی یہ لڑائی اب بھی جاری ہے۔

البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ منووادی طبقہ ملک کے دیگر طبقات کو مسلمانوں کے خلاف الگ الگ عناوین سے اپنی راجنیتی کے لئے استعمال بھی کرتے ہیں، اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

برادران وطن کے تعارف کی اہمیت

مسئلہ یہ ہے کہ برادران وطن میں سے وہ طبقات جن سے ملت کا اتحاد ضروری ہے، جو دستور کے بنیادی حقوق میں ملت کی حریف نہیں ہے اول تو ملت کو ان کا تفصیلی تعارف نہیں ہے، دوسرے ملت کے صحیح معنوں میں ان سے کوئی روابط نہیں ہیں۔

آزاد ہند میں آج بھی ملت ملکی سطح پر تو دور ریاستی سطح پر بھی برادران وطن کا صحیح طور پر تعارف نہیں رکھتی ہے، ان کے طبقات، الگ الگ طبقات کی خصوصیات، ان کی تاریخ، ان میں باہمی فرق و امتیاز، ایک کا دوسرے سے مزاجوں کا اختلاف، کس سے کن بنیادوں پر اتحاد ہو سکتا ہے، نظریاتی طور پر کونسے طبقات فرقہ پرستوں کے ہیں، اور کونسے طبقات فرقہ پرستوں سے نظریاتی اتحاد نہیں رکھتے، بلکہ خود بھی سماجی طور پر مظلوم ہیں صحیح معنی میں ہم ان کی تفصیلات کچھ نہیں جانتے۔

اول تو ملت کی جانب سے بھی سب کو ہندو کہہ دیا جاتا ہے جبکہ برادران وطن کی اکثریت خود کے ہندو ہونے کی ہی منکر ہے، اور علی الاعلان ہندو نام اور پہچان سے اپنی برأت کا اعلان کر رہی ہے، صاف کہہ رہی ہے کہ انہیں ہندو قرار دینا نسل پرست طبقہ کی سازش کا حصہ ہے تاکہ نسل پرستوں اور فرقہ پرستوں کی اکثریت ثابت ہو، ورنہ ان کا ہندو پہچان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ملت میں جو لوگ سب کو ہندو نہیں کہتے ان کے سامنے بھی برادران وطن کا بس ایک سطحی قسم کا خاکہ ہے کہ برادران وطن میں طبقاتی نظام ہے، اور اکثر طبقات جاتی واد کے مخالف ہیں، لیکن اسلام کی مساوات کی تعلیم کی بنیاد پر ان سے ملت کے گہرے مراسم نہیں ہیں، بلکہ آج بھی دوریاں قائم ہیں، جس کی وجہ سے مظلوم طبقہ ملت کے بجائے اپنے بعض مفادات کی وجہ سے خود جاتی وادیوں اور منو وادیوں کے ساتھ اشتراک عمل کر لیتا ہے۔

بظاہر دکھائی دیتا ہے کہ ظالم و مظلوم طبقہ، اور منودای اور دلت باہم متحد ہیں، حالانکہ گہرائی سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ حقیقت نہیں ہے، نسل پرست اور فرقہ پرست طبقہ اقلیتوں سے جتنی دوری رکھتا ہے اس سے کچھ زیادہ ہی بہوجن سماج سے جانبداری رکھتا ہے، لیکن ملت ان سے قربت کے لئے کوئی لائحہ عمل نہیں بناتی، اور اس کے لئے ان سے سنجیدہ مذاکرات کے لئے کوئی حکمت عملی نہیں بناتی۔

معروف سیاسی پارٹیاں اور منوواد

یہ موضوع برادران وطن سے اتحاد اور سیاسی حکمت عملی دونوں سے جڑا ہوا ہے۔

ملت نے ماضی کی مصلحتوں سے ایک طویل عرصہ تک کانگریس کی تائید کی، ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں بھی کانگریس یا دیگر سیکولر پارٹیوں سے بعض ضمنی اور وقتی

مصلحتوں سے یہ تائید درست ہو، لیکن برادران وطن سے اتحاد کے مقصد سے سیاسی پارٹیوں کی اصل فکر اور مزاج کا تجزیہ بھی بے حد ضروری ہے تاکہ ملت کے مفادات کا صحیح معنوں میں تحفظ ہو، اور سیاسی پارٹیوں سے پہلے ملک کے اہم طبقات اور دستور میں مذکور SC, ST, OBC اور دیگر اقلیتوں سے درست بنیادوں پر اتحاد کی راہیں ہموار ہوں۔

سیاسی پارٹیوں کی فکر اور مزاج کے تجزیہ میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ بہوجن سماج صرف کھلے فرقہ پرست ہی نہیں بلکہ تقریباً تمام قومی سطح کی سیاسی پارٹیوں کو الزام دیتا ہے کہ ان پارٹیوں کی اصل قیادت اعلی ذاتوں اور برہمنوں کے ہاتھ میں ہی ہے، اور یہ پارٹیاں سیاسی قوت پر کنٹرول کے معاملہ میں تمام اعلی عہدے اعلی ذاتوں تک محدود رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان میں قومی سطح کی تمام سیاسی پارٹیاں بشمول کانگریس سبھی شامل ہیں، چاہے وہ جمہوریت اور سیکولرازم کا کتنا ہی راگ الاپتی ہوں یہ دراصل اقلیتوں اور SC, ST, OBC کو کچل کر رکھے ہوئے ہے، اور دستور میں مذکور عدل اجتماعی کے اقدار یعنی تمام باشندگان ملک کی آزادی، انصاف، برابری اور وقار میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ سبھی اعلی ذاتوں کے راج کے لئے اور ملک کے وسائل پر اپنے طبقہ کے قبضہ کے لئے کام کرتی ہیں، ان کے درمیان بظاہر کوئی اختلاف ہو تو وہ صرف باہمی مفادات کا اختلاف ہے، ورنہ عدل اجتماعی کے اصولوں کا احترام کسی کے پاس نہیں ہے، بلکہ ہر کوئی عدل اجتماعی کے اصولوں پر صرف راجنتیی کر رہا ہے۔

اور یہ صرف موجودہ ماحول کی بات نہیں ہے بلکہ پچھلے ۷۵ برس سے یہی ہو رہا ہے، چنانچہ آزادی کے بعد سے ہی سیاسی پارٹیاں ہی نہیں بلکہ ملک کو چلانے کے تمام اداروں کے اعلی عہدوں پر اعلی ذات کے لوگ ہی قابض ہیں، برہمنوں کو دیکھا جائے تو

وہ زیادہ سے زیادہ پانچ فی صد ہیں، اور دیگر تمام اعلی ذاتیں بشمول برہمن ملک میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ فی صد ہیں لیکن ملک کے تمام اہم عہدوں میں سے ۷۰ سے ۸۰ فی صد پر یہی ۱۵ فی صد لوگ قابض ہیں۔

لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے منتخبہ امیدوار، ریاستوں کے گورنر اور لیفٹیننٹ گورنر، ان کے سیکریٹریز میں غالب اکثریت، یونین کیبینٹ سیکریٹریز، وزراء کے لئے چیف سیکریٹریز، وزراء کے نجی سیکریٹریز، یونیورسٹیز کے وائس چانسلرس، سپریم کورٹ کے ججس، ہائی کورٹس اور اڈیشنل کورٹس کے ججس، اعلی سفارتی عہدیدار، مرکزی انتظامیہ کے اعلی عہدیدار، ریاستی انتظامیہ کے اعلی عہدیدار، بینک ملازمین، ایر لائن ملازمین، آئی اے ایس، آئی پی ایس، ملکی ریڈیو اور ٹی وی، سی بی آئی اور ایکسائز وغیرہ کے اعلی عہدیداروں میں یہ اعلی ذاتیں ہی غالب ہیں اور ان میں بھی اکثریت برہمنوں کی ہے۔

انہیں بنیادوں پر بہوجن سماج کھل کر الزام عائد کرتا ہے کہ یہ صرف موجودہ مرکزی حکومت کے تحت ہی نہیں ہو رہا ہے بلکہ ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے، جس سے جمہوری اور سیکولر پارٹی ہونے کی دعویدار کانگریس کی حقیقت بھی سامنے آتی ہے، جس کے دور اقتدار میں ملکی وسائل میں تمام طبقات کو برابری نہیں دی گئی بلکہ صرف اعلی ذاتوں کو اور خاص کر برہمنوں کو مواقع میں امتیاز دیا گیا۔ اس لئے یہ نیشنل سیکولر پارٹیاں بھی اعلی ذاتوں کی ہیں اور وہ ملک کے دیگر طبقات کے ساتھ کوئی انصاف نہیں کرتی ہیں، اور نہ ہی دستور کے عدل اجتماعی کے اقدار کا نفاذ ان کا مقصد ہے۔

اس میں ملک کی قومی سطح کی غالب سیاسی پارٹیاں، بشمول کانگریس میں پالیسی ساز طبقہ ،ترنمول کانگریس، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا(مارکسسٹ)،بی جے پی وغیرہ سب برابر ہیں۔

سماجی سیاسی پارٹیاں(SOCIALIST POLITICAL PARTIES)

ان کے مقابلہ میں ملک میں سماجی سیاسی پارٹیاں (SOCIALIST POLITICAL PARTIES)ہیں، ملک میں ان کی بھی ایک تاریخ ہے، اس وقت وہ پارٹیاں جو بہوجن سماج سے آتی ہیں ان کی اکثریت کا زور ریاستی سطح کا ہے، بعض قومی سطح کی پہچان بھی رکھتی ہیں البتہ اکثر کسی ایک ریاست میں یہ زیادہ مضبوط ہیں، اور دیگر ریاستوں میں بھی ان کے کچھ اسمبلی یا پارلیمانی ارکان منتخب ہو کر آتے ہیں، جیسے ان میں سے چند معروف سماجی سیاسی پارٹیوں کے زمرہ میں یہ ہیں:

اتر پردیش میں ملائم سنگھ یادو /اکھلیش یادو کی سماج وادی پارٹی (SAMAJWADI PARTY)۔

کانشی رام /مایاوتی کی بہوجن سماج پارٹی(BAHUJAN SAMAJ PARTY)اس کو نیشنل پارٹی کا موقف بھی حاصل رہا ہے۔

بہار اور جھارکھنڈ میں لالو پرساد یادو کی آر جے ڈی(RASHTRIYA JANATA DAL)، یہ کیرلا میں بھی ہے۔ نتیش کمار کی جے ڈی یو(THE JANATA DAL (UNITED)۔

ٹمل ناڈو اور پوڈیچیری میں اے آئی اے ڈی ایم کے (ALL INDIA ANNA DRAVIDA MUNNETRA KAZHAGAM)۔

ان کے علاوہ ملک کی ریاستی اور علاقائی سطح کی دیگر بہت سی پارٹیاں بھی اسی سماجی سیاسی پارٹیوں(SOCIALIST POLITICAL PARTIES) کے زمرہ میں آتی ہیں۔اس کی فہرست کافی طویل ہو جائے گی اس پر علیحدہ سے کام ہو سکتا ہے۔

ان سماجی سیاسی پارٹیوں (socialist political parties) میں سے بعض پارٹیاں انتخابی سیاست میں اپنے طبقاتی مفادات کے لئے فرقہ پرستوں سے بھی اتحاد میں آجاتی ہیں،اور بعض پارٹیاں اپنی نظریاتی اساس پر باقی رہتی ہیں،اور کبھی فرقہ پرست پارٹیوں کے ساتھ ہاتھ نہیں ملاتیں، لیکن ان پارٹیوں میں بالقوۃ یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ ملت ان کے ساتھ اتحاد کر سکے،اس میں سماجی اور سیاسی دونوں اتحاد پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مشترکہ مقاصد سے حلیف بنانا

ملت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتی ہے، آپ ﷺ کی سیرت شاہد ہے کہ آپ نے ایمان پر محنت کرنے کے ساتھ عدل اجتماعی کی محنت کی،اور وہ طبقات جو غیر مسلم تھے، مشرکین، کفار یا اہل کتاب تھے ان کو مشترکہ مقاصد کی بنیاد پر اپنا حلیف بنایا، مشترکہ مقاصد میں ان کا بھی ساتھ دیا اور ان کو اپنے ساتھ بھی شامل کیا۔

آپ ﷺ کی نام لیوا ملت سیرت النبی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی اس تعلیم سے غافل رہے یہ بہتر نہیں ہے،دیگر مذاہب کے ماننے والے طبقات جن سے مشترکہ مقاصد کی بنیاد پر اتحاد واشتراک ہو سکتا ہے اس پر محنت کی خاص ضرورت ہے۔

ملت کا آج بڑا مسئلہ یہی ہے کہ ملک کے ان طبقات کے بارے میں ایک مبہم خاکہ سے ہٹ کر ہمارے پاس کوئی تفصیلی علم بھی نہیں ہے، یا ان سے اتحاد کے لئے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔

وہ کونسی نظریاستی اساس ہے جس کی بنیاد پر ہم سب سے یا الگ الگ طبقات سے اتحاد و اشتراک کا عمل کر سکتے ہیں، اس حکمت عملی پر کام کے لئے بھی ملت میں مستقل اصحاب کی ضرورت ہے۔

اتحاد واشتراک کی بنیاد

برادران وطن سے اتحاد کے لئے عمومی عناوین مثلاً ''ملک اور جمہوریت کی حفاظت''، ''دستور کا تحفظ''، ''عدل اجتماعی کے اقدار کے لئے مشترکہ جدوجہد''، اور ''مظلوموں کی مدد و حمایت'' بن سکتے ہیں۔

ایک رائے ہے کہ ''سیکولرازم'' اتحاد کی بنیاد بن سکتا ہے، تو کیا برادران وطن میں سے واقعی کوئی سیکولرازم کو بنیاد بنانا چاہتا ہے، اگر کوئی سیکولرازم کو بنیاد مانتا ہے تو وہ کون ہے؟ جس سے ہم اس موضوع پر اتحاد کر سکتے ہیں۔

ایک رائے ہے کہ جاتی واد کا مسئلہ نکتہ اتفاق ہو سکتا ہے کیونکہ اسلام پر مور طور پر مساوات کا درس دیتا ہے، اور ملک کا دستور بھی اس اصول کو بنیادی حق قرار دیتا ہے، جبکہ فرقہ پرست جاتی واد اور منوواد نظریہ کے حامل ہیں اور جاتی واد سے آج بھی ملک کے ایک بڑے طبقہ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اس کے لئے جو منوادیوں کی طرف سے ظلم کے شکار طبقات کی نشاندہی کر کے ان سے تعلقات ہموار کرنے کی ضرورت ہے، ان کے مفادات اور ملت کے مفادات کے تحفظ کے لئے کن امور پر اتفاق اور ایک

دوسرے کے حقوق کے تحفظ کے لئے کن پہلوؤں پر اشتراک ہو سکتا ہے اس حکمت عملی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ایک رائے ہے کہ معاشی ناانصافی نکتہ اتفاق ہو سکتا ہے۔ تو معاشی ناانصافی کے شکار کون کونسے طبقات ہیں، اور اس کے لئے جد وجہد کرنے والے کونسے طبقات ہیں، مزدور، کسان، تاجر، ملازمت پیشہ، طلبہ جہد کار وغیرہ وغیرہ شخصیات اور جماعتیں کون کون ہیں جو دستوری اور قانونی طور پر اس عنوان سے جد وجہد کر رہی ہیں۔

وہ کون کونسے طبقات ہیں جو ملک میں آبادی کے تناسب سے حقوق کے حصول کی جد وجہد کر رہے ہیں۔ اسی طرح ملک میں کون کونسی اقلیتیں ہیں، مثلاً مسلمانوں کے بشمول چھ طبقات سکھ، عیسائی، بدھسٹ، جینی، اور پارسی ملک کی اقلیتیں ہیں، ان میں سے سکھ، عیسائی، بدھسٹوں اور جینیوں کی ایک بڑی تعداد فرقہ پرستوں سے اپنے الگ الگ مفادات اور موضوعات پر نبرد آزما ہے۔

ان میں سے ہر ایک سے کن امور پر ملت کا اتفاق ہو سکتا ہے اور اور ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ کے لئے کن پہلوؤں پر اشتراک ہو سکتا ہے۔ ان پہلوؤں پر مستقل وقف ہو کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

منووادیوں کا آلہ کار طبقہ

ملت میں ایک احساس یہ ہے کہ غیر نسل پرست طبقات کا ایک بڑا حصہ خود منووادیوں کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کا ہمنوا بن کر کام کرتا ہے، مذہب کی راجنیتی میں منووادیوں کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ خود کو مظلوم کہتا ہے تو پھر ان کے منووادیوں سے اشتراک اور اتحاد کی کیا وجوہات ہیں؟ اور یہ کون ہیں؟ ان سے اتحاد کی کیا شکل ہو سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ الگ الگ طبقات اور ان کے قائدین میں مخلص، غیر مخلص اور منافق سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں، دنیا میں ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے، دور نبوت میں نبی ﷺ نے جن کو حلیف بنایا ان میں بھی راست باز اور منافق دونوں طرح کے لوگ تھے لیکن اصل نکتہ ملت کے ''عمل اور جہد مسلسل'' کا ہے، اپنی محنت چھوڑ کر دوسروں کی کمیوں کو گنانے سے مسائل حل ہونے والے نہیں ہیں، سیرت ہمیں سکھاتی ہے کہ اپنے ''عمل اور جہد مسلسل'' کو جاری رکھو اللہ کی نصرت محنت کرنے والوں کے ساتھ جڑتی ہے، اور کھلے مخالفین اور منافقین دونوں سے بچنے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

آج اسی بات کی ضرورت ہے کہ ہم ان سے رابطے بنائیں، اپنی قوت کو مجتمع کر کے اشتراک عمل کی شکلیں نکالیں، اور کچھ ایسے افراد خود کو فارغ کریں جو اس حکمت عملی پر کام کرنے کے لئے وقف ہوں۔

اکثریت اور اقلیت کی حقیقت

بہوجن سماج کا بڑا طبقہ جب خود کے ہندو ہونے کا منکر ہے تو ملک میں ہندو اکثریت میں ہونے کا دعوی ہی غلط قرار پاتا ہے لیکن اس وقت ملک میں ۲۰۱۱ کی مردم شماری کی بنیاد پر ہندووں کے 79.8% ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے، مسلم 14.2% ہیں، عیسائی 2.3% ہیں، بدھسٹ 0.7% ہیں، جینی 0.4% ہیں، اور پارسی 0.006% ہیں۔

ہندووں کے بارے میں یہ دعوی کہ وہ 79.8% ہیں، بہوجن سماج کی اکثریت اس کا صاف انکار کرتی ہے، وہ کہتی ہے کہ انہیں بھی ہندو قرار دے کر 79.8% میں شامل کر دیا گیا ہے، جبکہ دستور میں ان کی پہچان SC, ST, OBC

ہے، اور ان کی مردم شماری ہندو کے طور پر نہیں بلکہ دستوری پہچان سے ہو، اس مطالبہ کا زور ملک میں بہوجن سماج میں بڑھتا جارہا ہے، اس طرح ہندو صرف برہمن اور دیگر چند مخصوص طبقات رہ جائیں گے، ملک میں برہمن پانچ فی صد اور دوسرے اَپّر کاسٹ طبقات سب ملا کر صرف ۱۵ فی صد ہیں، اور دوسرے طبقات ۸۵ فی صد ہیں، اور اس صورت میں اقلیت اور اکثریت کی تعریف اور مصداق ہی بدل جائے گا۔ اور ملت کے ممکنہ اتحادیوں کا دائرہ کافی وسیع ہو سکتا ہے۔

جاتی واد کے نظریہ کی دودھاری کاٹ

یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے، منووادی نظریہ کا باطل ہونا مسلم ہے، اسی طرح نسلی تفاخر کی بنیاد پر دیگر خاندانوں، قبائل اور جاتیوں کو حقیر گردان کر ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک اختیار کرنا اس رویہ کا باطل ہونا بھی مسلم ہے، اور اس طرح کے انسانیت کے مجرموں کے جرائم کا مقابلہ کرنا بالکل برحق ہے، البتہ اس بنیاد پر رد عمل میں کسی خاندان کو مورد الزام قرار دے کر خاندانی عداوت اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ ممکن ہے بزعم خود اعلیٰ ذاتوں اور خاندانوں میں ایسے سلیم الطبع لوگ ہوں جو خود بھی اس جاتی واد اور اس کے منفی رویہ سے نفرت کرتے ہوں، تو وہ اور ان کا خاندان بذات خود نفرت کے لائق نہیں بلکہ خاندان اور نسب کے تفاخر کی وہ فکر جو دوسروں کو دبانے، کچلنے اور انہیں حقیر قرار دینے کا جواز فراہم کرتی ہو اس سے نفرت کی جائے گی۔

یہ صحیح ہے کہ ملک میں منووادی جاتی واد کے مجرم ہیں، البتہ اس بنیاد پر ان کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ہر فرد یا اس خاندان سے ہی عداوت اسلامی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے، بلکہ کوئی بھی ایسا طبقہ یا اس طبقہ کا وہ فرد جو بزعم خود اعلیٰ ذات کے غرور میں مبتلا ہو کر انسانیت سوز مظالم اختیار کرے گا اس کو رد کرنا اور اس کے مقابلہ کی

جدوجہد کرنا، مظلوموں کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونا عین اسلامی تعلیم کا حصہ ہے، اور ملت اس کی ذمہ دار ہے۔

دینی امتیاز کا تحفظ

سیکولر طبقات کے ساتھ مل بیٹھنے میں یہ اصول واضح رہے کہ ملت کی اولین ترجیح اپنے دین وایمان، عقائد واعمال اور دینی امتیازات کا تحفظ ہے، نیز عدل اجتماعی کی بنیادی فکر بھی یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے پوری انسانیت کے ساتھ حسن سلوک، انصاف اور انسانی مساوات کا پیغام دیا ہے، دستوری اقدار کے تحفظ کی محنت بھی انہیں اصولوں کی بنیاد پر ہے، برادران وطن کے ساتھ مشترکہ حکمت عملی اور مشترکہ لائحہ عمل میں یہ اولین ترجیح نظر انداز نہیں ہوگی، یہ نہیں ہو سکتا کہ اتحاد کے نام پر اپنے دینی امتیازات و تقاضوں کو داؤ پر لگادیا جائے، اس اتحاد کا مقصد ہی دینی امتیازات، عقائد و اعمال اور ملی تشخص کا تحفظ ہے، اس لئے یہ نصب العین کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو۔

انتخابی سیاست کی حکمت عملی

جس طرح ''ملت کا باہمی حقیقی اتحاد''، اور مشترک ترجیحات کی بنیاد پر ''برادران وطن سے اتحاد'' ملت کے موجودہ اہم ترین تقاضوں میں سر فہرست ہے، اسی طرح اس وقت ملت کا ایک اور اہم ترین تقاضہ، ''ملکی سیاست اور انتخابی حکمت عملی میں متحدہ اور مشترکہ منصوبہ بندی اور عملی جدوجہد کے لئے ہمہ وقتی کام'' بھی ہے۔

انتخابات میں حصہ لینا اور ملک کے سیکولر کردار کی حفاظت کا حکم

انتخابات کے سلسلہ میں بعض حلقوں کی جانب سے ایک شبہ اٹھایا جاتا ہے کہ ملک کے سیکولر کردار کی حفاظت کرنا کیا دین کا کوئی شرعی حکم ہے؟ بعض نادان اس کو کہتے ہیں کہ یہ طاغوت کی حفاظت ہے، اس لئے اس میں حصہ نہیں لینا چاہئے، ایسا کہنا دین سے مکمل طور پر ناواقفیت کی دلیل ہے۔

یہ بالکل سادہ بات ہے جس کو ہر عام انسان آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جب مسلمان خالص اسلامی ملک میں نہ ہو بلکہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ جمہوری ملک کے باشندہ ہوں، جس میں تمام اقوام کے ساتھ مسلمانوں کو بھی دستوری طور پر مذہبی آزادی کا حق حاصل ہو، اور دیگر عدل اجتماعی کے حقوق حاصل ہوں، لیکن ساتھ ہی ملک میں کچھ اعداء اسلام بھی ہوں جو اسلام اور مسلمانوں کو مٹا دینے اور مسلمانوں کو حاصل مذہبی آزادی کو ختم کر دینے کے درپے ہوں، تو ان سے مقابلہ کرنا اور ملک کا جو

نظریہ اور نظام مذہبی آزادی دیتا ہو اس نظام کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑا ہونا خود دین وملت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔

اس دستوری نظام سے دین، شعائر دین، اور ملت کی جتنی بھی حفاظت کر سکتے ہوں، اور اور اس نظام میں مسلمانوں کو حکمرانی میں جتنا بھی حصہ مل سکتا ہو اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی توانائیاں لگانا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا ملت کے ہر فرد پر لازم اور ضروری ہے، اور ظاہر ہے یہ سب کچھ ملک میں جمہوریت اور دستور کے بنیادی حقوق کے تحفظ سے جڑا ہوا ہے۔

ملک میں اسلام، شعائر اسلام، نماز، روزہ، قربانی، اسلامی تشخص، اسلامی تہذیب، مساجد، تعلیمی ادارے، پرسنل لاء، اوقاف، حکمرانی میں مسلمانوں کا حصہ وغیرہ کی حفاظت سب ملک میں جمہوری سیاسی انتخابات سے جڑے ہیں، تو اس نظام میں کم از کم حق رائے دہی کے استعمال کی حد تک حصہ لے کر ملی مفادات کی حفاظت کرنا ہم سب کا اجتماعی ہی نہیں بلکہ انفرادی فریضہ بھی ہے۔

غور فرمایئے کہ جمہوری نظام میں ہر بالغ ووٹ اس طرح اہم ہے کہ کسی بھی بالغ ووٹر کے اس جدوجہد میں حصہ نہ لینے سے ملت کا نقصان ہوتا ہے، اور اس گریز کے رویہ سے باطل پرستوں کو تقویت ملتی ہے، ظاہر ہے اس لحاظ سے ہر بالغ کا ملی مفاد کے لئے اس میں حصہ لینا لازم ہے، اگر ایک آدمی بھی اس سے گریز کرتا ہے تو اس کا راست فائدہ اعداء اسلام کو پہنچتا ہے اس لئے اس سے گریز کی کسی کو شرعی طور پر اجازت نہیں ہے۔

جس طرح دین وملت کی حفاظت کے لئے ملک میں جمہوریت کی بقااور دستور کا تحفظ ضروری ہے، اسی طرح بلاامتیاز مذہب و نسل مظلوم عوام اور انسانیت کے بنیادی حقوق کی حفاظت بھی ملک میں جمہوریت اور دستور کے تحفظ سے جڑی ہوئی ہے، انسانیت کی اس مدد و نصرت اور حمایت کے اعتبار سے بھی سیاسی انتخابات میں حصہ لینا اور سیاسی قوت کو حاصل کرنا دین وملت کی ہی خدمت ہے۔

دستور ہند کی تدوین میں اکابر ملت کی محنتیں

ایک اہم بات یہ ہے کہ ملک کی آزادی سے پہلے آزادی کے مجاہدین، اکابر ملت، متحدہ بر صغیر میں ملک کی آزادی کے ساتھ پوری انسانیت کے لئے عدل اجتماعی اور اس کے اقدار کے قیام کے لئے بر سر پیکار تھے، دستور سازی کا نظریہ تقسیم سے پہلے سے پایا جاتا تھا، اور دیگر مسلم تحریکات جیسے جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ دستور ساز اسمبلی میں بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد تقسیم کی مخالف تھی، لیکن آزادی کے موقع پر جب ملک کی تقسیم کا واقعہ پیش آیا تب ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش کھڑی ہوگئی، مسلم ملی و سیاسی قائدین کے لئے بڑے چیلنجس پید ہو گئے، لیکن ان صبر آزما کٹھن حالات میں بھی اکابر ملت نے انتہائی ہمت اور شعور کے ساتھ ملک کے مسلمانوں اور تمام طبقات کے لئے ''عدل اجتماعی کے اقدار'' پر مشتمل دستور ہند کی تدوین کے لئے براہ راست اور بالواسطہ محنت کی، یہ اکابر دستور سازی کی الگ الگ کمیٹیوں کے ممبر تھے، ان حضرات نے دستور کی تدوین کے مختلف مباحث میں حصہ لیا، ایک ایک شق کی تنقیح کے لئے خوبیوں اور خامیوں کو واضح کیا، ترمیمات کو پیش کیا، قراردادوں کو طے کرنے میں بھرپور حصہ لیا۔

اس پورے عمل میں اکابر ملت کے پیش نظر خاص طور سے بنیادی حقوق کے معاملہ میں ایک طرف یہ فکر تھی کہ ملک کی مسلم آبادی کے مذہبی حقوق اور مذہبی آزادی کا تحفظ ہو، عقیدہ کی حفاظت، مذہب کی تعلیم، مذہبی اداراوں اور مذہبی تعلیم کی آزادی، تہذیب اور تشخص کی حفاظت جیسے حقوق کو بنیادی حقوق کے ضمن میں منضبط کروایا، تو ساتھ ہی ملک کے تمام طبقات کے ساتھ کمزور طبقات کے لئے بھی بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ پر توجہ مرتکز کی، جس میں آزادی، مساوات، معاشی و سیاسی انصاف اور ہر شہری کے لئے وقار وغیرہ سبھی حقوق شامل ہیں۔ دستور ساز اسمبلی کے قیام سے لے کر دستور کی تکمیل تک ملت کے دیندار اور باشعور اکابر مسلسل اثر انداز رہے، اور موجودہ دستور ہند اکابر ملت کی قربانیوں کا بھی ثمرہ ہے جنہوں نے بہت نازک حالات میں ملک کو جمہوری ملک بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

یقیناً ڈاکٹر بی آر امبیڈکر صاحب اور ان کی پوری ٹیم کی محنتیں اس میں شامل ہیں، البتہ اس کے لئے اکابر ملت کی برابر کی محنتیں اور قربانیاں لگی ہیں، جس کے تاریخی شواہد موجود ہیں، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور مولانا حسرت موہانی کے ساتھ کل ۳۵ مسلم علماء، قانون دان، اور سیاست کے ماہرین دستور ساز اسمبلی کا حصہ تھے جنہوں نے دستور سازی میں بنیادی کردار ادا کیا، رحمہم اللہ۔

اس پس منظر میں یہ بات صاف ہے کہ ملک کے دستور میں مذہبی آزادی اور ملک کی حصہ داری میں ہماری برابری کا تیقن ہمیں ہمارے اکابر کی محنتوں سے ملا ہے، بنیادی حقوق میں دستور کی جن دفعات کی بنیاد پر مسلمان آج سر بلند کر کے اپنے حقوق کی بات کرتے ہیں اس میں ملت کے ان اکابر اور ان کے پیچھے ان کی جماعتوں اور افراد کی خدمات شامل ہیں۔ ہمیں آئندہ آنے والی نسلوں کو یہ بنیادی حقوق منتقل کرنے کے لئے

لازمی ہے کہ جو لوگ ان حقوق کو ہم سے چھیننے کے درپے ہیں دستوری طور پر ان کا بھر پور مقابلہ کیا جائے، جس کے لئے جمہوری و سیاسی انتخابات میں بھرپور حصہ لے کر اپنی قوت کو مجتمع کرنا اور اپنے حقوق کا تحفظ کرنا اہم ترین ذریعہ ہے۔

ملک میں آج ناامیدی سے نکل کر بلند حوصلوں کے ساتھ دستوری اقدار کی حفاظت، جمہوریت کے تحفظ کے لئے انتخابی سیاست میں مکمل طور پر حصہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہونا خود دین و ملت کی حفاظت اور ملک میں مظلوموں کی تائید و حمایت، کے لئے ضروری ہے۔

ووٹ اور قیادت کی نزاکت

رہا یہ سوال کہ ہم اس نظام میں کس کو ووٹ ڈالیں؟ اس دوسرے سوال سے اصل میں ''اہون البلیتین'' کی اصطلاح جڑی ہے، علی الاطلاق ووٹنگ میں حصہ لینا اہون البلیتین نہیں ہے بلکہ وہ لازمی ذمہ داری ہے، ہاں اس نظام میں کس کو چنیں؟ ظاہر ہے اس نظام میں ہمارے سامنے دو گروہ ہیں، ان میں سے جو کم نقصان دہ ہے اس کو چن لو، یہ ''اہون البلیتین'' ہے۔

یہاں ایک اہم پہلو مستقل نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ اہون البلیتین وقتی حل تو ہو سکتا ہے، لیکن مستقل حل نہیں ہے، مسلمانوں کی کروڑوں کی آبادی پر مشتمل پوری ملت نے ۷۵ سال تک مستقل حل کو نظر انداز کیا، اور ہمیشہ کم تر نقصان دہ کے پہلو تک نگاہوں کو محدود رکھا، جس کا نتیجہ ہے کہ ہمیں ہر طرح روندا جا رہا ہے۔

''جو کم تر دشمن ہو اس کو ووٹ ڈالو'' اس بیانیہ کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ اس کی کم تر دشمنی کو گوارا کر لو۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی حل تھا؟ یقیناً تھا، لیکن مسلمان اس

حل کے جواب میں پہلا جملہ کہتا ہے کہ یہ حل ناممکن ہے۔ جب یہ طے کرلیتا ہے کہ یہ ناممکن ہے تو اب اس کے لئے کوشش کیا کرنا، چنانچہ مستقل حل کے بغیر ۷۵ سال گزار دیئے۔

آج حال یہ ہے کہ مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے لوگ سمجھا رہے ہیں کہ کب تک تم اِن کے پیچھے اور اُن کے پیچھے بھاگو گے کسی کو تمہاری کیا پڑی ہے۔

حل کیا ہے؟ حل وہی ہے یعنی ملت کا باہمی اتحاد، اہون البلیتین کہہ کر کسی پر انحصار کرنے کے بجائے باہم متحد ہو کر اپنی سیاسی حکمت عملی کو خود تیار کرنا، ملکی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ اور تمام انتخابی عہدوں تک ملت کے اپنے امیدواروں کو پہنچانے کی کوشش کرنا، ضرورت ہو تو ہر قابل ذکر تعداد پر مشتمل مسلم آبادی والی ریاست میں اپنی سیاسی پارٹیوں کو قائم کرنا، یا پہلے سے موجود پارٹیوں کی باہمی ملی مشاورت سے توسیع کرنا، یا ملی اتحادی قوت کی بنیاد پر اپنے حلیفوں کے ساتھ سیاسی مذاکرات (Political Bargain) کے ذریعہ اپنے امیدوار خود منتخب کرنے کی سطح تک آنے کی کوشش کرنا، اور ان امیدواروں کو اپنے حلیفوں کے ساتھ اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں پہنچانا۔

اس جدوجہد کے لئے امکان کل بھی ہمارے پاس تھا اور آج بھی ہمارے پاس موجود ہے، اس امکان کو رد کرنے والے صرف اتنا دیانتدارانہ غور کرلیں کہ جس طرح ہم دیگر دینی مقاصد کے لئے وقف ہو کر کام کرتے ہیں اس طرح ان سیاسی خطوط پر آزادی سے اب تک وقف ہو کر کام کرنے کی کس درجہ کوشش کی گئی، اور گر نہیں کی گئی تو جدوجہد کے بغیر اس امکان کو رد کرنے کے کیا معنی ہیں۔

ملت واقعی باہم متحد ہو جائے، اور اپنے باہمی اتحاد سے فرقہ پرستوں کے مقابلہ میں ملک کے سیکولر اور دیگر مظلوم طبقات کو اپنا حلیف بنانے کی سنجیدہ کوشش کرے تو اہون البلیتین کی اصطلاح کی حیثیت ثانوی ہو جائے گی، اور ملت کسی پر انحصار کے بجائے حکمرانی میں اپنا واقعی قابل ذکر حصہ بنا پائے گا، اور ہر سیاسی طبقہ مسلمانوں سے اتحاد کا محتاج ہو گا۔

کیا دستور اور انتخابات ختم ہونے والے ہیں

یہ بات واضح ہے کہ ملک میں نسلی برتری کا نظریہ رکھنے والا منواد طبقہ اقتدار میں آنے کی وجہ سے ملک کے جمہوری اور سیکولر کردار کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور ''ہندو راشٹر'' کی بات کی جارہی ہے لیکن یہ کہنا کہ ہندو راشٹر اقائم ہو چکا ہے، یا آئندہ انتخابات نہیں ہوں گے، یا دستور بدل دیا جائے گا، یا دستور نہ بھی بدلے تو عملاً دستوری اقدار کے مطابق کوئی مثبت تبدیلی نہیں ہو سکے گی، یہ سب ابھی ممکن نہیں ہے، انتخابات بھی ہوں گے، دستور بھی نہیں بدلا جا سکے گا، اور صحیح محنت کی جائے تو دستوری اقدار کے مطابق مثبت تبدیلی لانے کے لئے ابھی بھی میدان موجود ہے، نا امیدی کے جو بیانیے ہیں چلائے جارہے ہیں یہ سب پروپیگنڈے ہیں، اور یہ پروپیگنڈے چلانے میں بہت حد تک نام نہاد سیکولر پارٹیاں بھی شامل ہیں، تاکہ اقلیتوں اور پچھڑے ہوئے طبقات کو فرقہ پرستوں سے ڈرا کر اپنا ووٹ بینک بڑھا سکیں۔

اس میں بھی شک نہیں ہے کہ فرقہ پرست جارحیت پر تلے ہوئے ہیں، وہ اپنے نظریات اور اپنے اقتدار کے لئے محنت بھی کر رہے ہیں، لیکن ابھی ملک میں انتخابات کو روک دینا یا دستور کو ہی بدل دینا، یا دستوری اقدار کے مطابق ملک میں کوئی مثبت تبدیلی نہ آنے دینا یہ سب فرقہ پرستوں کے لئے ابھی بہت مشکل ہے، ملک کی

اکثریت بہو جن سماج کے ساتھ کئی اقلیتیں اس پروپیگنڈہ کو ماننے سے انکار کرتی ہیں، اور وہ دستوری حقوق پر اپنی محنت میں لگے ہوئے ہیں، تو کیا مسلمان، اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویدار ناامیدی کا شکار ہو سکتا ہے، اس پروپیگنڈہ کو ''حقیقت پسندی'' کہنا بھی وسوسہ ہے، کیونکہ میدانی محنت کے بغیر ناامیدی نبوی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس لئے ایسے کسی بھی بیانیہ کی ہمت افزائی کرنا اور اپنی بول چال میں ایسے بیانیوں کو چلانا درست نہیں ہے، بالفرض اگر اس میں کچھ امکان بھی ہو تب بھی عوام کا حوصلہ بلند رکھنے کے لئے ایسے بیانیوں کے خلاف مثبت بیانیہ چلانا بھی خواص کی ذمہ داری ہے۔

حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے

ملک اور ملت کا آج کا سب سے بڑا مسئلہ حوصلہ اور ہمت ہارنا ہے، جبکہ کسی مثبت تبدیلی کے لئے سب سے پہلے ہمت بندھانے اور درست حکمت عملی اپنانے کی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام میں حوصلہ اور ہمت پیدا کرنا، ناامیدی سے نکالنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، ناامیدی اور بے ہمتی سے نکلنے کا نسخہ کیمیا اللہ پر توکل ہے۔

اور ہمت و حوصلہ کے لئے ذریعہ باہمی اتحاد، صبر و مصابرت اور ثبات قدمی سے مقابلہ ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲۰۰ سورہ آل عمران)۔ ملت اور انسانیت کے دشمن عناصر اپنے ظلم پر جو مضبوطی دکھا رہے ہیں اور اپنے نظریہ کو سربلند رکھنے کے لیے جو زحمتیں اٹھا رہے ہیں ملت ان کے مقابلے میں حق کی سربلندی کے لئے ان سے بڑھ کر پامردی دکھائے، اور میدان چھوڑنے کے بجائے ثابت قدمی کی روش اپنائے، اور دین، شعائر دین اور ملت کی حفاظت کے لئے کسی کوتاہی سے کام نہ

لے،اسی صبر و مصابرت اور ثبات قدمی سے دشمن تمہاری طرف رخ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، ورنہ بے ہمتی اور بے حوصلہ زندگی تمہیں دشمنوں کے لئے ترنوالہ بنادے گی جبکہ حوصلہ وہمت سے ثابت قدمی اور مقابلہ دشمنوں کے دلوں میں ملت کا رعب پیدا کرے گا،اور سب سے بڑھ کر تقوی کا اہتمام ہو جو تمام اعمال کی اصل روح، قبولیت اعمال کا مدار،اور ہر طرح کی کامیابی کی ضامن ہے۔

غرض انفرادی خول سے نکال کر ملت اور اجتماعیت کی فکر کرنے کی طرف راغب ہونے اور راغب کرنے کی ضرورت ہے۔

بے ہمتی اور بے حوصلگی سے ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ سیاست میں درست رویہ اپنانے کے بجائے بے عملی اور تشکیک کا رویہ اپنایا جارہا ہے، طرح طرح کے شبہات پیدا کرکے سیاست کے معاملہ میں قوت عمل کو ختم کیا جارہا ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دانستہ کیا جارہا ہے، ممکن ہے اکثر یہ نادانستہ ہی ہو، لیکن اس بے عملی اور تشکیک کے رویہ سے باہر آنے کی ضرورت ہے۔

ملت کے لئے آج بھی میدان کھلا ہوا ہے، ملت کو سمجھنا ہوگا کہ وہی میدان چھوڑ کر تنہائی کو اپنائی ہوئی ہے، ورنہ میدان ان کے ہاتھ سے آج بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے، وہ حوصلہ اور جذبہ کے ساتھ میدان میں آئیں گے تو آج بھی میدان ان کا ہو سکتا ہے، اور الحمد للہ ملت کے ایک بڑے طبقہ اور نوجوانوں میں آج وہ حوصلہ اور جذبہ موجود ہے۔

درست سیاسی حکمت عملی کا رہنما طبقہ

انتخابی سیاسی حکمت عملی کے فقدان پر جب بھی بات کی جاتی ہے تو اس پر کئی طرح کے سوال کھڑے کئے جاتے ہیں، حالانکہ اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ملت اور دین کی حفاظت، اور ملت وانسانیت کے لئے ''عدل اجتماعی'' کے لئے محنت کرنا دین کا

ہی حصہ ہے، اور اسلامی ترجیحات میں سے ایک ہے۔ اور ملک میں اس مقصد کو پورا کرنے کا اہم ذریعہ ''درست انتخابی سیاسی حکمت عملی'' بنا کر اس پر متحدہ جدوجہد کرنا ہی ہے۔ آج ملت درست انتخابی سیاسی حکمت عملی اور اس کے لئے ملت کے ضروری اتحاد سے متعلق جس جمود کا شکار ہے، اسی جمود کو توڑنے کی ضرورت ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ انتخابی سیاست میں ملت اور دین کی حفاظت، ملک کے مظلوم اور کمزور طبقات کی حمایت و نصرت کے جس مقصد کے لئے بات کی جارہی ہے یہ کام اسی طبقہ کو زیب دیتا ہے جو اخروی جوابدہی کا جذبہ دلوں میں رکھتا ہے، اور حکمرانوں کے طرز پر نہیں بلکہ نبی ﷺ اور صحابہ کے طرز پر عدل اجتماعی کے لئے خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، جو عہدہ و منصب، مال و متاع اور ذاتی اغراض کے لئے نہیں بلکہ واقعی خدمت خلق کے لئے کام کرے، ظاہر ہے جس سنجیدہ اور صالح حلقہ سے یہ ممکن ہے ان سنجیدہ حلقوں کی جانب سے عملاً اس کام کو بری طرح نظرانداز کیا گیا یا دوری بنائی گئی جس کے نتیجہ میں یا تو اس میدان میں کام ہی نہیں ہوا، یا پھر یہ کام ایسے لوگوں کے حوالہ چلا گیا جو صرف ذاتی اغراض کے لئے کام کرتے ہیں یا ان کو اس کام کو ملی کام کی حیثیت سے کرنے کا سلیقہ نہیں ہے، آج ملت میں نبوی سیاسی ترجیحات پر نظر رکھنے والے اصحاب علم و اصحاب نظر سنجیدہ طبقہ پر لازم ہے کہ ملک کے موجودہ حالات میں ملت کی اس اہم ضرورت پر منصوبہ بند طرز سے کام کے لئے غور و فکر اور عملی جدوجہد کے لئے متحرک ہوں۔

درست انتخابی حکمت عملی کا فقدان

''درست سیاسی رہنمائی'' کے لئے عدل اجتماعی کی خدمت کا دینی جذبہ ہونے کے ساتھ ''درست انتخابی حکمت عملی'' بنانا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

''درست انتخابی حکمت عملی'' بنانے کے لئے درج ذیل خطوط پر کام کی ضرورت ہے:

- ایک طرف ملت میں '' باہمی اتحاد'' کے لئے محنت کرنا۔
- انتخابی سیاست کے میدانی رجحانات کا گہرائی سے جائزہ لینا، اور ہر حلقہ کے لئے ''مستقل انتخابی تجزیاتی پالیسی'' بنانا۔
- ''انتخابی تجزیاتی پالیسی'' بنانے کے لئے اہل اصحاب کو جمع کرنا۔
- مستقل تیار کردہ پالیسوں کو ملت کے اتحادی پلیٹ فارم پر پیش کرکے ان پر ''اتفاق رائے'' ہموار کرنے کی کوشش کرنا۔
- ''برادران وطن سے تعلقات'' استوار کرکے اپنا سیاسی حلیف بنانے کی کوشش کرنا۔
- ان پالیسیوں کی بنیاد پر ''سیکولر پارٹیوں'' کے سامنے اپنے مطالبات رکھ کر ان کو حلیف بنانے کی کوشش کرنا۔

اس خطوط پر کام کرنے کے لئے بھی ملت کو آج وقف اصحاب اور ایک ''مستقل نظم'' کی ضرورت ہے، جو ملک و ملت میں ''دستور اور اس کے عدل اجتماعی کے اقدار کے تحفظ'' کی بنیاد پر، ملک بھر کے ملت کے فکر مند اور فعال اصحاب کو جوڑے، برادران وطن میں مشترک مقاصد پر متحد ہونے والے طبقات سے تعلقات ہموار کرے، اور انتخابی سیاست میں مستحکم حکمت عملی پر ہمہ وقت کام کرے۔

زمینی سطح پر محنت میں ہماری غفلت

درست انتخابی حکمت عملی بنانے اور اس کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر مقصود حاصل ہونا ممکن نہیں ہے، اس جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑا ہونا ضروری ہے۔

انتخابی سیاست میں ملت اپنی محرومیوں کا رونا روتی ہے، کبھی فرقہ پرستوں کے مظالم کا رونا ہے، اور کبھی سیکولر پارٹیوں کی جفا کا رونا ہے، حالانکہ سیاسی معاملات میں ملت محض اپنے تساہل کا شکار ہے، اپنے حالات کے لئے اس معاملہ میں دوسروں کو ذمہ دار قرار دینا خود ملت کی زیادتی ہے۔

سیکولر پارٹیوں کی دغا تو دور ملک میں فرقہ پرست بھی نہ ہوتے تب بھی ملت کے ملی واجتماعی مسائل حل ہوں اس کے لئے کوئی فطری اور منطقی وجہ نہیں ہے، کیونکہ ملی واجتماعی مسائل کے حل کے لئے اور خاص طور سے انتخابی سیاست میں زمینی سطح پر محنت کے لئے ملت کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے، ہم میدان سے ہی غائب ہیں، اور پوری طرح سے دوسروں پر منحصر ہونے کے راستہ کو اپنائے ہوئے ہیں، اور دوسروں کو ہمارے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ملت کو سمجھنا ہوگا کہ ہم اپنے ہی غلط رویہ اور غفلت کے شکار ہیں، انتخابی سیاست کی محنت میں ملت کہیں نہیں ہے، جو مسلمان انتخابی سیاست میں دکھائی دیتے ہیں ان میں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ ان کی محنت ملت کے لئے محنت نہیں بلکہ ذاتی مفادات کے حصول اور ذاتی تعمیر کی محنت ہے، سوائے گنے چنے لوگوں کے مسلم سیاسی امیدوار خود اپنے لئے محنت کر رہا ہوتا ہے، اور ان کی تعداد بھی برائے نام ہے، باقی ہم ملک کے اکثر حصوں میں جن سیاسی پارٹیوں کی تائید کی بات کرتے ہیں خود ہمارا خاص طور سے مذہبی طبقہ کا ان سے کوئی تعلق اور معاہدہ نہیں ہوتا، بس ہم یہ کہہ کر کسی کو ووٹ دیتے ہیں یا اپنے حلقوں میں کسی کے لئے ووٹکی مہم چلاتے ہیں کہ فرقہ پرست کو آنے سے روکنا ہے تو اس کی تائید کرو، اور جس کی تائید کرتے ہیں اکثر جگہوں پر خود اس سے کوئی معاہدہ (Political Bargain) نہیں ہوتا کہ ملت کے ووٹ کی تائید

سے خود ملت کو وہ کیا فائدہ پہنچائے گا۔ ملت متحد نہ ہونے کی وجہ سے سیکولر بر سر اقتدار پارٹی کے پاس بھی ملت کی ترجمانی کی راہیں بند ہیں۔

انتخابی حکمت عملی پر کام کرنے والے اداروں اور افراد کی کمی

ملی واجتماعی مسائل اور انتخابی سیاست کو ہدف بنا کر حقیقی منصوبہ بندی کے لئے جن خطوط پر کام کرنے کی بات کی گئی ہے اس کے لئے ہمارے پاس کوئی مستقل ادارہ نہیں ہے، ایسا ادارہ جو مستقل اس شعبہ کے تقاضوں کو ہدف بنا کر کام کرتا ہو، حالانکہ فرقہ پرست اپنی پوری طاقت جھونک کر اپنے اداروں کے ذریعہ اپنے اہداف کے لئے ہمہ تن محنت میں لگے ہوئے ہیں، اسی طرح وہ سیاسی پارٹیاں بھی جو فرقہ پرست نہیں ہیں وہ اپنے ذاتی اغراض و مفادات کے لئے محنت کر رہے ہیں، جب کہ ملت کی جانب سے کوئی ''سنجیدہ محنت'' نہیں ہے، کوئی لائحہ عمل نہیں ہے، زمینی سطح پر کوئی حقیقی بھاگ دوڑ نہیں ہے۔ ہم بغیر کسی ہدف اور بغیر کسی جد وجہد کے سر گرداں ہیں۔

سنجیدہ محنت نہ ہونے کا مطلب وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا کہ

(۱) ہمارے درمیان باہمی اتحاد پیدا کرنے کے لئے جد وجہد کرنے

(۲) سیاسی میدان کا تجزیہ و مطالعہ کرنے

(۳) اس تجزیہ و مطالعہ کی بنیاد پر باہمی اتحاد کے ساتھ مشترکہ لائحہ عمل بنانے

(۳) متحدہ لائحہ عمل کے مطابق ممکنہ حلیفوں سے انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر سنجیدہ مذاکرات کرنے

(۴) اور اس طرح بنائے گئے حلیفوں کی انتخابی تائید کرنے

جیسی کوئی مربوط پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہمارے پاس کوئی محنت نہیں ہے۔

موجودہ نازک ترین حالات میں بھی ۲۰/یا ۱۷ کروڑ کی عظیم افرادی قوت والی قوم کے پاس نہ ''مستقل منصوبہ ساز ادارے'' ہیں جو انتخابی سیاست کے لئے مستقل محنت کر رہے ہوں، نہ ''منصوبہ ساز افراد'' کہیں مستقل بیٹھ رہے ہیں، اسی طرح اس میدان کے عملی تقاضوں کے لئے زمینی سطح پر بھاگ دوڑ کرنے والے وقف افراد بھی نہیں ہیں۔

صرف غیر سیاسی اداروں پر توجہ کا ارتکاز

ہم بیسیوں مقاصد کے لئے قائم ملی جماعتوں کے ذمہ دار ہیں، مدارس کے ناظم و مدرس ہیں، مساجد کے ائمہ و خطباء ہیں، اصلاح عقائد اور اصلاح معاشرہ کی محنت کرتے ہیں، مکاتب چلاتے ہیں، رفاہ عام اور خدمت خلق کے اداروں کی سرپرستی کرتے ہیں، عصری تعلیمی اداروں کو چلاتے ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن انتخابی سیاست کی حکمت عملی پر کام کرنے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، بس دیگر مقاصد سے کچھ وقت مل جاتا ہے تو عین انتخابات کے وقت جو کچھ بعض گوشوں سے سمجھا دیا جاتا ہے اس پر سرپرٹ دوڑ پڑتے ہیں۔

الیکشن کے موقع پر ہماری جو بھاگ دوڑ دکھائی دیتی ہے، وہ ہماری اسی سرگردانی کا حصہ ہوتا ہے، کسی منصوبہ بند حکمت عملی کے بغیر کوئی مستحکم زمینی محنت نہیں ہوتی، اس بھاگ دوڑ کے پیچھے خود ہمارا علی وجہ البصیرت کوئی تجزیہ نہیں ہوتا۔

جبکہ فرقہ پرست یا سیکولر انتخابی سیاست کے جہد کار کسی الیکشن کے بعد اگلے الیکشن کے لئے فوراً متحرک ہو جاتے ہیں، اور اگلے پانچ سال تک وقف افراد مستقل منصوبہ بندی سے ہمہ وقت متعینہ اہداف کے ساتھ مسلسل جدوجہد کرتے ہیں۔

فرقہ پرست جن کے استحکام کا ہم رونا روتے ہیں وہ ہمارے خلاف اسی ہمہ وقتی جدوجہد میں لگ کر مستحکم ہوئے ہیں، اور ہم اس میدان میں خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، انتخابات کے موقع پر جب دوسروں کی تقریباً ساری محنتیں ہو چکی ہوتی ہیں، تب ہم جاگتے ہیں، لیکن بالعموم تب تک سب کچھ طے ہو چکا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے ہی رویہ اور غفلت کے شکار ہیں، ہماری اس روش کے ہوتے ہوئے فرقہ پرستوں کو ہمارے خلاف کچھ زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملت اور دین کی بقاء کے لئے ہمیں اپنے غیر سیاسی تعلیمی و رفاہی اداروں کی طرح ایسے افراد اور اداروں کی ضرورت ہے جو سیاسی مقاصد کے لئے مستقل کام کریں، ان کے بغیر سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے ہم کوئی مؤثر کردار ہر گز ادا نہیں کر سکتے، اور ان مقاصد کے لئے ہمیں ہمہ وقتی کام کرنے والے اصحاب کی ضرورت ہے جو ان تقاضوں خاص کر سیاسی مقاصد کے لئے وقف ہو کر کام کر سکیں۔

اسی طرح اس میدان کے لئے وسائل کی بھی ضرورت ہے، جس طرح دیگر دینی ذمہ داریوں کے لئے محنت کرنے والوں کے لئے اجرت کا حق مسلم ہے، اسی طرح ملی واجتماعی خدمت اور انتخابی سیاست کے لئے بھاگ دوڑ کرنے والوں کے لئے بھی یہ حق مسلم ہے۔ اس میدان کے تقاضوں کو پورا کرنے والوں کے لئے بھی عوامی تعاون کی بنیاد پر وسائل کی فراہمی کا انتظام ہونا چاہئے، تاکہ اہل اصحاب کو اس میدان میں بھی ہمہ وقت خدمت کے لئے لگایا جا سکے۔ اس موضوع پر ہم آگے کچھ مزید پہلو رکھیں گے۔

انتخابی سیاسی حکمت عملی کے تقاضے

انتخابی سیاست کی حکمت عملی بنانے میں بھی یہی ترتیب ہونا چاہئے کہ

(۱)سب سے پہلے ملت میں باہمی اتحاد کے لئے جدوجہد ہو، ہر طبقہ سے ملاقات ہو، ہر ایک کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔

(۲) باہمی اتحاد کے ساتھ مشترکہ لائحہ عمل بنانے کی جدوجہد ہو، لیکن کسی بھی لائحہ عمل کو بنانے کے لئے انتخابی حالات، علاقہ، حلقوں کی عوام کا رجحان، پارٹیاں، امیدوار، ملت سے باہر کن کن کے ساتھ اتحاد ہو سکتا ہے ان سب کا تجزیاتی مطالعہ اور تحقیق(Analytical studies and research)نہایت ضروری ہے۔اوراس کے لئے مستقل اس کام کی اہلیت رکھنے والے افراد کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔

(۳) تجزیاتی مطالعہ اور تحقیق کے بعد متحدہ پلیٹ فارم کے علماءودانشوروں کو متحدہ لائحہ عمل بنانے پر محنت کرنا ہوگا، جس میں ممکنہ حلیفوں سے اجتماعی طور پر سنجیدہ مذاکرات(Political Bargain)کی ضرورت ہے۔

حلیف بنانے اور کسی پر انحصار کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے، انحصار کرنا حماقت ہے اور حلیف بنانا ناگزیر ہے اور عقلمندی کا تقاضہ ہے۔

اس کے لئے بعض سیاست دان حلقوں کی جانب سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلم سیاسی پارٹیوں پر توجہ مرتکز ہو تاکہ امیدواری کے ٹکٹ مانگنے میں محتاج نہ بننا پڑے، ملت یہ نازک پہلو اپنے اتحادی پلیٹ فارم سے شوری سے طے کر سکتی ہے۔

واضح رہے کہ حلیفوں سے مذاکرات((Political Bargain))کا کام انفرادی یا گروہی طور پر نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ الگ الگ ملی جماعتیں بکھر کر الگ الگ حلیف بنائیں، یہ ملت کے لئے زہر ہے، جس کو ہم اب تک پیتے آئے ہیں، یہ ملت کی حیثیت سے خودکشی ہے، اس سے بچ کر متحدہ طور پر حلیفوں سے مذاکرات کو یقینی بنانے کی کوشش ہونا چاہئے، اور اس متحدہ مذاکرات کے لئے ہر ممکن جدوجہد ہونا چاہئے، اور

جو بھی اس اتحادی اور اجتماعی محنت سے انحراف کرے، اور اتحادی پلیٹ فارم سے ہٹ کر انفرادی راہ اپنا کر ملت کو بانٹنے کی کوشش کرے اول تو اس کو احسن طریقہ سے محبت اور اکرام کے ساتھ سمجھایا جائے، کوئی پھر بھی نہ مانے تو جماعت اس کی حقیقت ملت کے سامنے واضح کرے۔

(۴) متحدہ پلیٹ فارم سے بنائے گئے حلیفوں کی انتخابی تائید کی جائے۔ اور ملت میں اس انتخابی عمل میں بھرپور حصہ لینے کے لئے محنت کی جائے۔

حق رائے دہی کے استعمال میں کوتاہی

(۵) انتخابی حکمت عملی کے ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ملت میں انتخابات کے تئیں بڑی لاپرواہی ہے، لوگ انتخابات کو معمولی لیتے ہیں اور اس میں حق رائے دہی کو استعمال نہیں کرتے، غفلت میں پڑے رہتے ہیں، یہ دینی، ملکی اور اخلاقی جرم کی حد تک خطرناک ہے، جن لوگوں میں سیاسی شعور ہے اور وہ موجودہ حالات میں انتخابات کی اہمیت جانتے ہیں ان کے لئے یہ کوتاہی تو جرم ہی ہے، اور وہ عوام جو کم علمی کی وجہ سے اور انتخابات کی اہمیت نہ سمجھ کر انتخابات کے موقع پر حق رائے دہی کے استعمال سے لاپرواہی سے گریز کرتے ہیں ان کو بھی اس غلطی سے بچانا اور اس غفلت کو ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔

ملی مفادات کے تحفظ کے لئے کام کرنے والے افراد اور نظم کو توجہ دینا ہوگا کہ اس مسئلہ پر عوام کو متنبہ کرنا خود ایک مستقل کام ہے، اس مقصد پر مستقل محنت کرنے کی ضرورت ہے کہ عوام انتخابات میں بھرپور حصہ لیں، اور تمام انتخابات میں ذمہ داری کے احساس کے ساتھ شریک ہوں اور حق رائے دہی استعمال کریں، یہ کام انتخابی حکمت عملی کا اہم حصہ ہے۔

ووٹر آئی ڈی کارڈ کا مسئلہ

ملک کے تمام بالغ شہری اور باشندے جن کی عمر ۱۸ سال یا اس سے متجاوز ہے وہ قانونی طور پر انتخابات میں رائے دہی کے استعمال کا حق رکھتے ہیں، لیکن اس حق کو استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دستوری طور پر ہر اہلیت رکھنے والے کے پاس ووٹر آئی ڈی کارڈ بنا ناہوا ہو۔ ملت کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جس کے پاس ووٹر آئی ڈی کارڈ ہی بنا ہوا نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ حق رائے دہی کو استعمال نہیں کر سکتے۔

اس وقت اس حق کو استعمال کے لئے ہر بالغ شہری کا ووٹر آئی ڈی کارڈ بنوانا بھی ایک اہم کام ہے، خود ہر بالغ شہری کو اس کی فکر کرنا چاہئے، اور ملت کے خدام کی بھی ذمہ داری ہے کہ اس کے لئے محنت کریں۔

الحمد للہ اس کے لئے ملی جماعتوں اور ملی رہنماؤں کی جانب سے کوششیں بھی ہو رہی ہیں۔ ریاست تلنگانہ میں امیر شریعت حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم کی تحریک پر ریاست بھر کے علماء کرام نے اس کے لئے خصوصی توجہ دی اور جن لوگوں کا کارڈ بنا ہوا نہیں تھا ان کی ایک بڑی تعداد کا کارڈ علماء کرام کی محنت و توجہ سے بنایا گیا، اور یہ کام اب بھی جاری ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی تحریک پر دوسرا اہم کام انتخابات کے موقع پر عامۃ الناس کو ”صد فی صد حق رائے دہی کے استعمال کو یقینی بنانے“ کے لئے متوجہ کرانے کا بھی جاری ہے۔ جس کے لئے حضرت کی تحریک پر ریاست بھر میں علماء کرام متحرک ہیں، نیز ان کے علاوہ دیگر ملی و سیاسی مسائل کے لئے بھی امت کو جوڑنے، بالخصوص علماء کرام کو متحد کرنے کے لئے حضرت کی خصوصی محنتیں جاری ہیں، جس کے لئے الحمد للہ ریاست کے تمام اکابر علماء کرام حضرت کی دعوت پر ایک صف میں جمع ہیں۔

مال کی بنیاد پر حق رائے دہی کا استعمال

(۶) انتخابی حکمت عملی کے ضمن میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ملک میں پیسہ کی بنیاد پر ووٹ دینا ایک چلن بن گیا ہے، یہ چلن ملکی سیاست میں ایک لعنت ہے۔ یہ قانون کے بھی خلاف ہے، دین واخلاق کے بھی خلاف ہے، نیز ملک وملت کے مفادات کو مجروح کرنے میں زہر سے کم نہیں ہے، کوڑیوں کے عوض اپنے قیمتی ووٹ بیچنا ملک و ملت کے مفادات کو بری طرح مجروح کرتا ہے، اس کی اصلاح کے لئے بھی سنجیدہ محنت کی سخت ضرورت ہے۔

عام لوگوں میں یہ سوچ ہے کہ انتخابات پانچ سال میں ایک مرتبہ کچھ پیسہ کمانے کے ایک موقع کے طور پر آتا ہے، کچھ لوگوں کا یہ بھی گمان ہے کہ صحیح امیدواروں کو اسمبلی، پارلیمنٹ یا دیگر انتخابی عہدوں تک پہنچانا ان کے بس میں نہیں ہے تو جو امیدوار سیاست کو اپنی تجارت بنائے ہوئے ہیں ان سے انتخابات کے موقع پر ووٹ کے نام پر ملنے والے پیسے سے ووٹر بھی کچھ بزنس کرلیں۔ اس گمان کی بے ہودگی ظاہر ہے لیکن یہ گمان بے عملی اور بدلاؤ لانے کے سچے حوصلے کے فقدان سے پیدا ہوئے ہیں۔

زمینی سطح کی صورت حال یہ ہے کہ ووٹر کا ایک بڑا طبقہ آج پیسہ کے بغیر ووٹ دینے تیار ہی نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر بھی مستقل کام کی ضرورت ہے، کہ ووٹرس میں یہ شعور بیدار کیا جائے کہ وہ اپنے ووٹ کو پیسے کے بغیر ملک و ملت کی حفاظت اور ترقی کے لئے پورے شعور اور ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرے۔

یہ معاملہ اب انتخابی امیدوار کی صرف تجارت کا نہیں رہا بلکہ یہ معاملہ اب ملک میں قوموں کے وجود اور بقاو زوال سے جڑ گیا ہے، یہ کروڑوں لوگوں کی زندگیوں

کی آزادی، اور ان کے لئے انصاف سے جڑ گیا ہے، انتخابی سیاست کی لڑائی اب بلا شبہ نسل پرستوں اور فرقہ پرستوں کے مظالم سے آزادی اور انصاف کی لڑائی بن گئی ہے۔ ایسے میں ملک وملت کے ہر ووٹر کا ووٹ کسی لالچ کے بغیر آزادی اور انصاف کی حفاظت کے لئے پڑنا ضروری ہے۔ ورنہ یہ پیسے کی بنیاد پر ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار منتخب ہو کر پارلیمنٹ واسمبلیوں میں پہنچ کر ملک و ملت کے مفادات کے عین خلاف قوانین وضع کر کے اور انتظامیہ کو خود ووٹ دینے والی عوام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں اور انہیں بری طرح کچلنے اور تباہ کرنے کے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔

اس شعور بیداری کے لئے بھی انتخابی حکمت عملی کی مربوط پالیسی پر بیک وقت کام کرنے کی ضرورت ہے، جس میں باہمی اتحاد، صحیح امیدوار کا انتخاب، سیاسی مذاکرات و مطالبات اور بھرپور تائید سبھی شامل ہیں، اس کے نتیجہ میں امید کی جاسکتی ہے کہ عدل اجتماعی کے قیام کی سچی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔

حوصلہ مند جہد کاروں کی ضرورت

اس مربوط حکمت عملی اور پالیسی پر عمل پیرا ہونے اور جدوجہد کے لئے حوصلہ مند جہد کاروں کی ضرورت ہے، یہ کام کوئی ترنوالہ نہیں ہے، یہ محنت انتہائی توجہ اور مشقت طلب ہے، ایسے جیسے اکابر نے محنتیں کیں، اور قربانیاں دیں، جیسے عدل اجتماعی کے لئے صحابہ نے دور نبوت اور خلافت راشدہ میں محنتیں کی ہیں، اور قربانیاں دی ہیں، آج پھر سے حوصلہ مندوں کا امتحان ہے کہ وہ اس میدان میں کام کے لئے خود کو وقف کریں اور اس میدان کے تقاضے پورا کریں۔ یہ محنت براہ راست ملک کی حفاظت اور ملک میں تمام انسانیت کی حفاظت کے ساتھ دین وملت کی حفاظت سے جڑی ہوئی ہے، اس محنت کا براہ راست تعلق ملک میں نسل پرست اور فرقہ پرست فرعونوں

کے مظالم کو ختم کر کے عدل اجتماعی کے قیام سے جڑا ہے، یہ عظیم الشان کام جزوقتی محنتوں سے سر ہونے والا نہیں ہے، اس کے لئے مخلص اصحاب کو اپنے اوقات اور صلاحیتوں کو وقف کرنے کی ضرورت ہے۔

زمینی سطح پر لیڈرشپ کی تیاری

اوپر مذکور انتخابی سیاسی حکمت عملی کی ترتیب میں ایک اہم ضرورت زمینی سطح پر کام کرنے والے سیاسی لیڈروں کی تیاری بھی ہے، ہمارے درمیان معلم و مدرس، امام وخطیب، مصنف، خدمت خلق کے میدان کے جہد کار، اصلاح عقائد کے ماہرین، فرقہ ضالہ سے مقابلہ کے لئے مناظرین وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں، لیکن عدل اجتماعی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے زمینی سطح پر سیاسی لیڈروں کی تیاری پر توجہ بالکل نہیں ہے، جو دین کے عدل اجتماعی کے پہلو سامنے رکھ کر، نبی ﷺ کی تعلیمات میں عوامی خدمت کے جذبہ سے سیاست کو اپنا میدان عمل کے طور پر منتخب کرے، اور اجتماعی وسائل اور قوت کو اپنی ذات کے لئے حاصل کرنے کے بجائے عوامی خدمت کے لئے حاصل کرے اور ذاتی زندگی نبی ﷺ اور آپ کے خلفاء کے فقر اختیاری کے انداز میں گزارنے کا حوصلہ اور جذبہ رکھے۔

ملت میں علماء ودانشوروں کی جانب سے سیاست میں خدمت خلق کے اس جذبہ اور حوصلہ کی ہمت افزائی کرنے کے کام سے توجہ ہٹی ہوئی ہے، زیادہ سے زیادہ غیر سیاسی خدمت خلق کے پہلو کو فروغ دیا جاتا ہے، اور سیاسی خدمت خلق کے میدان کو خواص میں بھی ایک گندگی باور کیا جاتا ہے، اور یہ ایک بڑی کوتاہی ہے۔

دین میں عدل اجتماعی کے لئے نبی ﷺ کی جو تعلیمات ہیں وہ بھی دین کا اہم حصہ ہے کہ ملت کے خدام اقتدار کی قوت حاصل کرنے کی جدوجہد کریں، اور اجتماعی

قوت و وسائل حاصل ہوں تو ان کو اپنی ذاتی ملکیت بنانے کے بجائے عوامی فلاح و بہبود پر لگائیں، اور اپنی محنتوں اور قربانیوں کے بعد جو اجتماعی وسائل اور قوت حاصل ہو اس کے ثمرات ذاتی طور پر حاصل کرنے سے گریز کریں، اپنے اجر کے لئے آخرت کا انتظار کریں۔ نبی ﷺ اور آپ کے خلفاء نے رہتی دنیا تک عدل اجتماعی کا یہ اسوہ پیش کیا ہے، جنہوں نے بادشاہت حاصل ہونے کے باوجود اجتماعی وسائل کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں بنایا بلکہ اس کو عوامی مفادات کے لئے محفوظ کیا، اور انہیں حاصل اجتماعی قوت کو عوامی مفادات کو یقینی بنانے کے لئے مختص کیا، اسلام کی اشاعت میں جتنا دعوت نے کام کیا اتنا ہی اس عدل اجتماعی کے نفاذ نے بھی کام کیا ہے۔ آج بھی دنیا کے ہر خطہ میں اقتدار کے شعبہ میں اس اسوہ کی ضرورت ہے، جو ملت ان نبوی اصولوں پر یقین رکھتی ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں اپنے عمل سے ایسے قائد انسانیت کو دے، جو ان کے حقوق کے لئے محنت کرے، اور اجتماعی عوامی وسائل میں لوٹ کھسوٹ سے خود کو بچائے اور اپنے اجر کی امید پروردگار سے لگائے۔

ملک میں مسلمان صرف ووٹ دینے والا نہیں بلکہ نبوی نہج پر سیاسی میدان میں خدمت خلق سے سب کا لیڈر بننے کی کوشش کرے، اور ملت کے علماء و دانشور نہ صرف ملت کے لئے بلکہ ملک کے دیگر طبقات کے لئے بھی خدمت کی بنیاد پر ملت کے نوجوانوں کو قائد بنانے کی فکر کریں۔

کوئی بھی انتخابی عہدہ ہو، چاہے پارلیمانی اور اسمبلی حلقوں کے امیدوار ہوں، شہر کے میئر ہوں، یا بلدیاتی کونسلر (Municipal Councillors) اور وارڈ ممبر ہوں، بیشتر خود مسلم آبادیاں ایسی ہیں جہاں مسلم ووٹ سے دوسرے طبقات کے امیدوار جیت کر آتے ہیں، اور عوام کو مخلص قائد نہیں ملتے، مسلمان دوسروں کو ووٹ دے کر

کامیاب بناتا ہے لیکن مسلمان کو ووٹ نہیں دیا جاسکتا یہ ایک ذہنیت ہے جس کو دوسروں نے تو پروان چڑھایا لیکن خود ملت نے بھی اس کو اوڑھ لیا ہے۔ حالانکہ بے لوث خدمت سے ملت اس احساس کو بدل سکتی ہے۔

سیاسی لیڈر کا نظریاتی کام کیا ہے ؟ وہی جو اوپر بتلایا گیا ہے کہ وارڈ کونسلرز سے لے کر اوپر تک کے سیاسی امیدوار اپنے علاقہ کی فلاح و بہبود اور مفادات کو یقینی بنانے کی محنت کے لئے کام کرتے ہیں، حقیقی کام کرتے ہیں یا نہیں یہ الگ موضوع ہے لیکن انتخابی سیاست کا مطلب ان کی یہی خدمات ہیں کہ وہ اپنے علاقہ کی فلاح و بہبود اور مفادات کو یقینی بنانے کی محنت کرتے ہیں۔ اس کے لئے حکومت کی جانب سے جاری کردہ عوامی فلاح و بہبود کی پالیسوں کو اپنے علاقہ تک پہنچانا، اور عوامی مسائل کو اٹھا کر ان کو حل کرنے کی کوشش کرنا یہ سیاسی جہد کار کا کام ہے، جس کو انجام دے کر وہ چھوٹا یا بڑا سیاسی لیڈر بنتا ہے۔ کتنے سیاسی امیدوار ایسے ہوتے ہیں جو انفرادی طور پر کھڑے ہوتے ہیں، برسوں تک بے وسائل زندگی گزارتے ہیں، لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنا مقام بنالیتے ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ ایسے امیدواروں کی ان کی قوم اور دیگر طبقات سبھی ہمت افزائی کرتے ہیں، ان میں سے کئی غیر مسلم ہوتے ہیں جو مسلم علاقوں میں اپنا مقام بناتے ہیں، اور مسلمان ان کو اپنی تائید دیتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایسے زمینی سطح پر محنت کرنے والے خود ملت میں نہیں اٹھتے اور نہیں اٹھائے جاتے، کوئی اہلیت بھی رکھتا ہو تو خود ملت بھی ان کی ویسی سرپرستی نہیں کرتی جیسی دیگر طبقات کے امیدواروں کی کرتی ہے، آج ضرورت ہے کہ زمینی سطح سے ہی ایسی قیادت کے فروغ کے لئے محنت کی جائے، ملت کے علماء و دانشوروں کو اس فکر پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ ساتھ ہی سماجی جہد کاروں کو اس میدان میں عدل اجتماعی کی اسلامی

تعلیم کو اپنانے، اور نبوی تعلیمات اور ترجیحات کی روشنی میں حقیقی خدمت خلق کرنے کی ضرورت ہے، یعنی سیاسی میدان کو منتخب کرنے کے تصور کی بنیاد عوام کی خدمت ہو، اس عوامی خدمت کا ہدف بالکل واضح ہو کہ سیاسی رسوخ اور منصب حاصل کرنا ہی مقصد ہے تاکہ سیاسی قوت کے ساتھ صحیح معنی میں خدمت خلق کی جاسکے، اور ظالموں اور فرعونوں کے ظلم سے عوام کی حفاظت کی جاسکے۔

مسلم سیاسی پارٹیاں

ملک کے الگ الگ خطوں میں الیکشن کمیشن آف انڈیا کی جانب سے منظور شدہ متعدد مستحکم مسلم سیاسی پارٹیاں ہیں۔

جیسے حیدر آباد تلنگانہ میں ''آل انڈیا مجلس اتحاد المسلمین'' ملک کی قدیم ترین سیاسی پارٹی ہے، جو اب ملکی سطح پر کام کرتی ہے، اور تلنگانہ کے ساتھ مہاراشٹرا، اتر پردیش، ٹمل ناڈو، اور بہار میں اسمبلی و پارلیمانی انتخابات میں مقابلہ کر چکی ہے، ۱۹۸۴ سے حیدر آباد پارلیمانی سیٹ مجلس کی ہے، جہاں سے اب جناب اسد الدین اویسی صاحب رکن پارلیمنٹ ہیں، پارٹی سے کئی مرتبہ اسمبلی ارکان جیت کر آئے، اور اس وقت تلنگانہ ریاست میں مجلس کے ۷ ممبران اسمبلی ہیں، جن میں جناب اکبر الدین اویسی صاحب بھی ہیں جو لگاتار چھ مرتبہ رکن اسمبلی تلنگانہ منتخب ہوئے ہیں، اور تلنگانہ اسمبلی کے سب سے سینئر رکن ہونے کے ناطے، انہیں ۹ دسمبر ۲۰۲۳ کو پروٹیم اسپیکر مقرر کیا گیا۔ مہاراشٹرا میں اورنگ آباد پارلیمانی حلقہ سے اس پارٹی کے ایک اور رکن پارلیمنٹ جناب امتیاز جلیل صاحب ہیں جبکہ ۲۰۱۹ میں ۱۲ اسمبلی ممبر مہاراشٹرا سے جیت کر آئے۔ ۲۰۲۰ بہار میں پارٹی ۱۵ اسمبلی سیٹیں جیت چکی ہے لیکن ان میں سے ۳ ممبر ۲۰۲۲ میں RJD میں منتقل ہو گئے۔ ۲۰۲۲ میں پارٹی نے اتر پردیش میں ۱۰۰ حلقوں

سے مقابلہ کیا لیکن ایک بھی سیٹ حاصل نہیں کر پائی، اور اس پر الزام لگا کہ اس نے ریاست میں دوسرے سیکولر ووٹوں کو تقسیم کرنے کا کام کیا۔ گجرات میں احمد آباد میونسپل کارپوریشن اور گجرات میونسپالیٹی الیکشن ، اسی طرح کرناٹک، ٹمل ناڈو میں میونسپل انتخابات میں کئی کارپوریٹرس اور کونسلرس کی سیٹیں حاصل کیں۔ ان کے علاوہ تلنگانہ اور اور نگ آباد وغیرہ میونسپل انتخابات کے اعداد و شمار علیحدہ ہیں۔

''انڈین یونین مسلم لیگ '' (IUML) بھی ملک کی قدیم ترین سیاسی پارٹی ہے، یہ اس وقت یو ڈی ایف(United Democratic Front) کی اہم حلیف ہے، کیرالا میں جب یو ڈی ایف حکومت میں ہوتی ہے تو ''انڈین یونین مسلم لیگ '' کے لیڈرس کابینہ کے اہم وزراء کی حیثیت سے منتخب ہوتے ہیں۔ پارٹی کی ہمیشہ مستقل پارلیمنٹ میں موجودگی رہی ہے۔اور اس وقت بھی پارٹی سے ۴ پارلیمانی ممبر ہیں۔ ۲۰۲۱ کے اسمبلی انتخابات کے بعد کیرالا میں پارٹی کے ۱۵ ممبران اسمبلی ہیں۔

''آل انڈیا یونائیٹیڈ ڈیموکریٹک فرنٹ''(AIUDF) جو پہلے ''آسام یونائیٹیڈ ڈیموکریٹک فرنٹ'' کے نام سے ۲۰۰۵ میں وجود میں آئی تھی، جس کو بعد میں ۲۰۰۹ میں ''آل انڈیا یونائیٹیڈ ڈیموکریٹک فرنٹ'' کے نام سے نیشنل پارٹی بنایا گیا، آسام میں بی جے پی اور کانگریس کے بعد یہ تیسری اہم ترین سیاسی پارٹی ہے، اس کے بانی مولانا بدر الدین اجمل صاحب ہیں، ۲۰۱۱ میں اس پارٹی نے آسام اسمبلی انتخابات میں ۱۸ سیٹیں حاصل کیں، ۲۰۱۶ میں ۱۳ سیٹیں، سابقہ ۲۰۲۱ کے انتخابات میں پارٹی نے ۱۶ اسمبلی سیٹیں حاصل کیں۔

یہ سیاسی پارٹیاں ہندوستانی سیاست میں ملک کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سرمایہ ہیں، جہاں تک ملت کی ان سیاسی پارٹیوں کی تائید کی بات ہے ملت میں

عوام و خواص سبھی کا یہی احساس ہے کہ جہاں یہ پارٹیاں مستحکم ہیں ملت انہیں کی تائید کرتی ہے ا،اور ان کے علاوہ دوسری پارٹیوں اور امیدواروں کو ووٹ نہیں ڈالتیں۔

البتہ ان میں سے کوئی توسیع پسندی کے ساتھ جب اپنے دائرہ کو وسیع کرنا چاہتا ہے اور اپنی پارٹی سے ایسے حلقوں میں انتخابی امیدوار اتارتا ہے جہاں پہلے سے اس کا کوئی رسوخ نہیں ہے تو اس کے لئے ملت کے سیاسی ماہرین اور درد مند اصحاب ان پارٹیوں کو اس بات پر متوجہ کراتے ہیں کہ یہ توسیعی عمل ملت کے عظیم تر مفاد کے لئے ملی جماعتوں، علماء و دانشوران اور ان حلقوں کی علاقائی مسلم قیادتوں کے ساتھ عمومی مشورہ کے بعد ہی ہو اپنے کیونکہ اس کے بغیر سیکولر ووٹ تقسیم ہو کر ملت کے لئے شدید نقصان کا بار بار کا تجربہ ہو چکا ہے، توسیع پسند مسلم سیاسی پارٹیوں کو ملت کے عظیم تر مفاد کے لئے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

سیاست ایسا نازک میدان ہے کہ مسلم سیاسی پارٹیوں،، ملی جماعتوں، علماء و دانشوران، اور برادران وطن میں عدل اجتماعی کے حقیقی جہد کاروں کو اب اس میدان کے ہر عمل کے لئے انتہائی بیدار مغزی، باہمی روابط اور مشاورت پر سخت توجہ دینے کی ضرورت ہے، ملت جب تک باہمی مشاورت کی راہیں ہموار نہیں کرے گی حالات میں سدھار مشکل ہے۔

کسی مسلم سیاسی قائد پر اسلام اور مسلمانوں کی مخالف پارٹی کے ساتھ ساز باز کا الزام قطعی درست نہیں ہے، البتہ پالیسیوں میں غلطی اور خاص کر انفرادی اور گروہی پالیسیوں میں غلطی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، سابقہ اتر پردیش اسمبلی انتخابات اس کی کھلی مثال ہیں، اس طرح اور بھی مثالیں ہیں، اس لئے علماء و دانشوران نے بار بار متوجہ کرایا ہے کہ توسیع کا عمل کتنے ہی نیک جذبہ سے ہو یہ امت میں عمومی مشورہ اور علاقائی

عوام سے عمومی مشورہ کے بعد ہی ایسا اقدام مناسب ہے ورنہ ملت کے عظیم تر مفاد کے پیش نظر اس سے گریز ہی بہتر ہے۔

سیاسی پارٹیاں ملت میں عمومی مشورہ، اور علاقائی قیادت کو مشورہ میں شامل کرنے کے حقیقی تقاضوں سے گریز کر کے انفرادی اور گروہی طور پر جو فیصلے لیتی ہیں، اس سے پوری ملت کو کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں، خاص کر موجودہ نازک حالات میں اس رویہ سے گریز لازمی ہے۔

ماہر تجربہ کار سیاسی قائدین امت کے مختلف طبقات ، علماء و دانشوران اور علاقائی قیادتوں سے سنجیدہ مشورہ کریں گے ، اور سب کے مفید مشوروں پر اپنے عمل و اقدام کی بنیاد رکھیں گے ، اور عمومی مشورہ سے پہلے سب پر اپنی انفرادی یا پارٹی کی رائے مسلط کرنے سے بچیں گے تو ملت کے سبھی طبقات ان کا استقبال کریں گے ، اور توسیع کے مرحلہ میں بھی ملت کی عمومی تائید اور برادران وطن میں سیکولر طبقات کی تائید بھی انہیں حاصل ہو سکتی ہے، سیاسی قائدین کو اس پہلو سے اقدام کرنے کی فکر کرنی چاہئے، یہ پارٹیوں اور ملک و ملت دونوں کے لئے مفید ہے۔

اور ایک اہم پہلو یہ ہے کہ الگ الگ ریاستوں میں جتنی مسلم سیاسی پارٹیاں ہیں ملک میں مسلمانوں کی تعداد اور ریاستوں کے علاقائی ماحول اور مفادات کے لحاظ یہ ناکافی ہیں، ایک تو ہر ریاست میں اس کے لئے مستقل محنت ہونا چاہئے، اس کے لئے ملک بھر کے علماء و دانشوران اور خاص کر ہر ریاست کے علماء و دانشوران باہمی اتحاد کے ذریعہ ہی اس اہم ترین کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

اسی طرح ملک کی تمام مسلم پارٹیوں اور لیڈروں کے درمیان روابط ہموار ہونے اور ملی مفاد کے لئے باہمی اتحاد سے سیاسی اہداف پر توجہ مرتکز کرنے کی محنت کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

ظاہر ہے ان تمام مقاصد کے لئے مستقل افراد اور نظم کو مسلسل محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلم سیاسی انتخابی امیدواروں کی اہمیت

اس وقت ملک کی پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں جیت کر آنے والے ارکان میں مسلم ارکان کی تعداد بتدریج گھٹتی چلی گئی ہے، اور جو ارکان اسمبلیوں تک پہنچتے ہیں انہیں وزارت سے محروم رکھا جاتا ہے، خود سیکولر پارٹیاں جو مسلمانوں کے ووٹوں سے جیت کر آتی ہیں وہ بھی مسلم ارکان کو وزارت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

۲۰۲۳ کے اواخر میں ۵ ریاستوں میں اسمبلی انتخابات ہوئے لیکن ان ریاستوں میں وزراء کی فہرست میں مسلم ارکان اسمبلی میں سے کوئی نہیں ہے۔

اس میں فرقہ پرست کیا کر رہے ہیں، یا سیکولر پارٹیاں کیا کر رہی ہیں یہ اپنی جگہ ایک سوال ہے، لیکن اس سے پہلے خود مسلمان کیا کر رہے ہیں یہ پہلا سوال ہے۔

مسلمان انتخابات کے موقع پر خود مسلم امیدوار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جس کی وجہ سے پارٹیاں مسلم منتخبہ ارکان کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔

مثال کے طور پر تلنگانہ میں نظام آباد اربن حلقہ کی سیٹ پر کانگریس کے امیدوار کی تائید پر توجہ مرتکز کرنے کی ضرورت تھی۔ یہاں ملت کے ووٹ کا بڑا حصہ بی آر ایس اور دوسری پارٹیوں میں تقسیم ہو کر ملت کا نقصان ہوا، یہ بے شعوری ملت کا بہت بڑا المیہ ہے۔

بودھن میں پارٹی سے ہٹ کر بی آر ایس کے امیدوار کی تائید پر توجہ مرتکز کرنے کی ضرورت تھی جبکہ یہاں ملت کا ووٹ دیگر سیکولر پارٹیوں اور آزاد امیدواروں میں تقسیم ہو کر ملت کا نقصان ہوا۔

جوبلی ہلز میں کانگریس کے امیدوار کی تائید پر توجہ مرتکز کرنے کی ضرورت تھی، یہاں بھی ملت کے ووٹ کا بڑا حصہ بی آر ایس اور دیگر پارٹیوں اور آزاد مسلم امیدواروں کے درمیان تقسیم ہو کر ملت کا نقصان ہوا۔

اس کی اور بھی مثالیں ہیں، پارٹیوں کی فکر سے اوپر اٹھ کر بالقوۃ مضبوط مسلم امیدواروں کو اسمبلیوں میں باقی رکھنا، اور اس کے لئے ووٹوں کی تقسیم سے بچانے کے لئے منصوبہ بندی کرنا اور ملی رائے عامہ اس کے حق میں ہموار کرنے کے لئے جدوجہد کرنا، آج ملت کی اہم ترین ترجیحات کا حصہ ہے، اس کے لئے ملت کے مضبوط امیدواروں پر توجہ مرتکز کر کے ان کو ان کے حلقوں سے منتخب کرنے کی کوشش بہت ضروری ہے۔

جہاں تک رہی بات امیدواروں سے شکایات کی تو یہ ایک اہم موضوع ہے اس پر بھی بات ہونا چاہئے، اور ان کے حل نکالنے کے لئے محنت کرنے کی ضرورت ہے، اس مسئلہ کے حل کے لئے امیدواروں سے رابطہ بھی ضروری ہے، البتہ جو مسلم امیدوار جیت سکتا ہے اس کی تائید میں اتحاد سے لاپرواہی کرنا اس امیدوار کا نہیں براہ راست ملت کا نقصان ہے۔

ووٹ کاٹنے والے امیدواروں کا مسئلہ

انتخابی سیاست کی حکمت عملی کے طور پر ملت میں ایک کام یہ بھی کرنے کا ہے کہ انتخابی حلقوں میں کچھ امیدوار ایسے کھڑے ہوتے ہیں جنہیں یقین ہوتا ہے کہ جیت

حاصل کرنا تو دور انہیں کوئی خاص نمائندگی بھی نہیں ملے گی، ان کا کچا چٹھا کہ کس کو کتنا ووٹ ملا الیکشن کمیشن کی ویب سائٹ پر موجود ہوتا ہے، کئی حلقوں میں پانچ سے دس ایسے امیدوار دکھائی دے جاتے ہیں، جنہیں حاصل شدہ ووٹ صرف دو تین ہزار سے دو تین سو تک ہوتا ہے اور یہ سب مل کر صرف کسی ایک بڑے امیدوار کے حلقہ کے ووٹ کاٹنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

یہ امیدوار شاذ و نادر ہی خود سے آزاد امیدوار بنتے ہیں، اکثر کسی بڑے امیدوار کے اشارہ پر اس کے مد مقابل امیدوار کے حلقہ میں مد مقابل کے ووٹ کو کاٹنے کے لئے کھڑے کئے جاتے ہیں، اور اس کے لئے پیسہ کا لین دین بھی ہوتا ہے، ملک و ملت کے لئے یہ چلن بھی ایک لعنت ہے، خاص طور سے ملت کے ووٹ کاٹنے کے لئے ایسی کسی بھی کوشش پر سکوت اختیار کرنا درست نہیں ہے بلکہ ایسے امیدواروں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے، اور انہیں اس غلط روش سے بچنے پر متوجہ کرانا چاہئے۔ انتخابی سیاست کی حکمت عملی کے تحت اس پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

حلیفوں سے معاہدہ کے مشمولات اور طریقہ کار

متحدہ ملت سیکولر پارٹیوں اور حلیفوں سے کن امور پر اتحاد اور معاہدہ کرے، کن مطالبات کو رکھے، یہ ایک وسیع موضوع ہے، اس موضوع پر چند پہلو رکھے جا سکتے ہیں لیکن اصلاً یہ موضوع ملت کے اتحادی پلیٹ فارم کا ہے، جہاں ملت کے افراد اور طبقات جمع ہو کر باہمی مشاورت میں اپنا اپنا موقف رکھیں، اور پھر ایک مشترکہ موقف کے ساتھ سیکولر پارٹیوں سے باقاعدہ مذاکرات اور معاہدے ہوں۔ اس لئے اس کا صحیح لائحہ عمل ملت کا عمومی مشورہ کا پلیٹ فارم بنائے گا، اور اس کے لئے ملت کو متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی جدوجہد کرنے والے افراد اور نظم اس مشاورتی عمل کے لئے

جدوجہد کریں گے، اس لئے اس موضوع کو یہاں طویل کئے بغیر صرف چند نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

دستوری بنیادی حقوق کی عملاً بحالی ہماری سب سے بنیادی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے ملت کو خود سیکولر پارٹیوں سے بھی بنیادی شکایات ہیں، سیکولر پارٹیاں جو ملت سے ووٹ چاہتی ہیں وہ ملت کے بنیادی مسائل کے حل کے تیقنات دے:

جمہوری سیاست اور اقتدار میں ملت کی نمائندگی کو کم کردینا (Lack of representation.) ایک بڑا مسئلہ ہے، اس کا ایک حل انتخابی سیاست میں اقلیتی امیدواروں کو ان کی آبادی کے تناسب سے ٹکٹ ملنا ہے۔

جمہوری سیاست اور اقتدار میں ملت کی نمائندگی میں کمی (Lack of representation.) کا ایک اور حل، سیکولر پارٹیوں کا اقلیتوں کے ووٹ سے جیتنے کے بعد اقلیتوں کی آبادی کے لحاظ سے انہیں وزارتوں میں حصہ دینا بھی ہے۔ اور اس کے لئے مسلم امیدوار کی جیت کی شرط لگانا بھی زیادتی ہے، کیونکہ پارٹی میں اکثر غیر مسلم امیدواروں کو مسلم ووٹرس کے ووٹ ہی ملتے ہیں۔

اقلیتوں کا اہم مسئلہ اقلیتی تشخص کا تحفظ (Security) بھی ہے، ہر ایسی پالیسی جو ملی تشخص کو خطرہ میں ڈالتی ہے اس کے بارے میں ملت کے ووٹ کی طالب پارٹی کو اس بات کا تیقن دینا ہوگا کہ پارٹی اب اس سے واقعی گریز کرے گی، اور ملک و ریاست میں اقلیتی تشخص کے خلاف زہر افشانی کرنے والوں سے سختی سے نمٹے گی جو نہ صرف اقلیتوں کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ ملک کی سالمیت کو بھی خطرہ میں ڈالتے ہیں۔

ایک اہم مسئلہ مذہب کی آزادی کا تحفظ ہے، اسی میں مذہبی اداروں کا تحفظ بھی شامل ہے، ایسے قوانین اور پالیسیوں سے اجتناب کرنا جو مذہب یا مذہبی اداروں کی

آزادی میں رکاوٹ بنتے ہیں، اسی طرح مذہبی آزادی پر قدغن لگانے والے عناصر سے سختی سے نمٹنا بھی اس میں شامل ہے، جو آج ملک کی فضاء کو زہریلی بنائے ہوئے ہیں۔

انتظامیہ کی جانب سے قانون کے نفاذ اور اور انصاف کی فراہمی میں مذہب کی بنیاد پر جانبداری اور امتیاز (discrimination) سے گریز ایک نہایت اہم ترین ضرورت ہے، اقلیتوں کو قانونی تحفظ فراہم کرنا، اقلیتوں کے خلاف جھوٹے مقدمات دائر کرنے کی حوصلہ شکنی کرنا، اور ناجائز دائر کردہ مقدمہ کو طوالت دینے والے سسٹم کے کمزور پہلوؤں پر ترجیحا قابو پانا، اور دیانت داری سے قانون کے ذریعہ سسٹم میں موجود خاطیوں کے خلاف مناسب کارروائی کرکے ایسے خاطیوں کی حوصلہ شکنی کرنا بنیادی مطالبات کا حصہ ہیں۔

فرقہ واریت (communal tensions) کو ختم کرنے کے لئے صحیح اقدام کرنا، اور فرقہ واریت کے خلاف قانون اور انتظامیہ کو فعال بنانا اہم ضروریات میں سے ہے۔

اقلیتی وزارت، اداروں اور عہدوں کو فعال و متحرک بنا کر اقلیتی اسکیمات کو عملاً نافذ کرنا۔

اس عنوان کے مزید پہلو ، خاص طور سے علاقائی مسائل پارٹیوں سے مذاکرات کا طریقہ کار ملت کے اتحادی پلیٹ فارم کا موضوع ہے، جہاں ملت کے افراد اور طبقات کھلے طور پر اپنا اپنا موقف رکھیں، اور پھر ایک مشترکہ موقف کے ساتھ اجتماعی طور پر سیکولر پارٹیوں سے باقاعدہ مذاکرات اور معاہدے (Political Bargain) کا عمل ممکن ہے۔

پارٹیوں کو صاف پیغام دیا جانا چاہئے کہ ان سے مذاکرات (Political Bargain) میں یہ تیقنات حاصل ہوں تبھی ان کی تائید ممکن ہے ورنہ ملت کو ''متبادل'' پر غور کرے گی اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ ملت باہم متحد ہو اور متحدہ قوت کا مظاہرہ کرے۔

مضبوط اپوزیشن کی اہمیت

''جمہوریت'' کی ایک اہم ضرورت بر سر اقتدار پارٹی کے مقابلہ میں ''مضبوط اپوزیشن'' کی بھی ہے، مضبوط اپوزیشن کے بغیر فرقہ پرست پارٹی ہی نہیں بلکہ سیکولر پارٹیاں بھی ''آمریت'' پر اتر آتی ہیں، جو جمہوریت کے لئے سخت خطرہ ہے، ماضی قریب سے فرقہ پرست ''کانگریس مکت بھارت'' کا نعرہ لگا رہے ہیں، لیکن اس سے پہلے کانگریس نے خود اپنے دور اقتدار میں یہی کیا، اور دیگر سیاسی پارٹیاں بھی اسی کی کوشش کرتی ہیں، ہاں کانگریس یا دیگر سیکولر پارٹیوں نے یہ نعرہ تو نہیں لگایا لیکن عملاً انہوں نے بھی اپنے اپنے حلقہ اور دور میں اسی کی کوشش کی ہے۔

یعنی یہ مسئلہ صرف فرقہ پرستوں سے نہیں ہے بلکہ ہر سیاسی پارٹی کا ہے، کوئی سیاسی پارٹی حزب اختلاف کی مضبوطی نہیں چاہتی، ہر بر سر اقتدار یا مضبوط سیاسی پارٹی حزب اختلاف کو یا تو ختم کر دینا چاہتی ہے، یا پھر اس کو بالکل کمزور کر دینا چاہتی ہے۔ اس اعتبار سے مضبوط اپوزیشن کی کوشش کوئی سیاسی پارٹی ہر گز نہیں کر سکتی ہے بلکہ یہ صرف عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاگی ہوئی اور بیدار مغز ہو کہ ملک اور اس کی ترقی کے لئے ملکی عوام بشمول ملت مضبوط اپوزیشن کے لئے بھی محنت کرے۔

اور لائحہ عمل کی ترتیب یہ ہو کہ اگر بالفرض ملت کے ساتھ نظریاتی ہم آہنگی والی سیاسی پارٹی کے اقتدار میں آنے کا امکان نہ ہو تو دوسرے درجہ میں اس بات کی

منصوبہ بندی رکھی جائے کہ وہ کم از کم مضبوط اپوزیشن بن جائے، اور اسی اعتبار سے ووٹوں کو متحد کرنے کی کوشش کی جائے۔

لیکن اس کے لئے، انتخابات کے نتائج کا قبل از وقت صحیح تجزیہ، اور اس بنیاد پر مختلف طبقات سے تعلقات اور اتحاد کی غرض سے زمینی سطح پر بھاگ دوڑ، اور سنجیدہ معاہدے بہت ضروری ہیں۔ ملت کے لئے اس مقصد سے عمل کے لئے بھی باہمی اتحاد کی محنت ضروری ہے۔

کرنے کے کام

سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ملی قوت کو مجتمع کرنے اور ملی اتحاد کی ضرورت کے نظریہ سے متفق افراد کسی تاخیر کے بغیر خود باہم تعلقات کو استوار کریں ۔ایک دوسرے سے میل جول بڑھائیں،اور اپنے اندر مستحکم نظم کے استوار کرنے پر توجہ دیں تاکہ وہ خود بنیان مرصوص کی مثال بن سکیں۔

ہم ذہن لوگ باقاعدہ نظم کے تحت ملی اتحاد کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے عملی جدوجہد کرنے اٹھ کھڑے ہوں،اور ملت کے تمام طبقات کو جوڑنے کی فکروں پر کام کریں۔

باقاعدہ نظم کا مطلب کوئی نئی جماعت قائم کرنا نہیں ہے بلکہ کوئی نئی جماعت کا نظریہ سنجیدہ لوگوں کو متوحش کرنے لگا ہے،البتہ اجتماعی کاموں مؤثر اور فعال بننے کے لئے نظم کا قائم ہونا ضروری ہے تاکہ ذمہ داریوں کی ادائیگی درست بنیادوں پر ہو۔

تحفظات سے بالاتر ہو کر کام کرنا

ملی اتحاد کے جہد کار انفرادی اور اجتماعی طور پر ان طریقوں کو اختیار کریں جو باہمی میل جول کو تقویت پہنچاتے ہوں،اور ان اسباب سے خود کو بچائیں جو باہمی اتحاد میں رکاوٹ بنتے ہوں۔

ملت میں رابطہ اور اتحاد کی کوششوں میں ہر قسم کے تحفظات سے بالاتر ہو کر کام کریں،کسی بھی طبقہ سے رابطہ کرنے میں ذاتی اغراض یا ذاتی اختلافات کی وجہ سے

دوری اختیار کرنے سے سختی سے پرہیز کریں،، ہر ایک سے ذاتی تعلقات استوار کرنے پر توجہ دیں، اختلافات کے باوجود باہمی روابط پیدا کرنے کی شکلیں نکالنے کے طریقوں پر کام کریں۔

ملت میں کچھ ایسے رویے بھی سامنے آئیں گے جو اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں ان سے بھی گریز کا رویہ مناسب نہیں ہے، ملی اتحاد کے لئے کام کرنے والے نظم کی ذمہ داری ہے کہ اس طبقہ پر بھی برابر محنت کرے، اور انہیں بھی محبت و اکرام سے اتحادی پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کرے، یہی ان کا اصل امتحان ہے۔

پوری ملت کو عموماً اور اس طبقہ کو خصوصاً ملت کے عمومی مفاد کے لئے باہم مل کر ملی تقاضوں کو پورا کرنے کی مسلسل دعوت دی جائے۔

مرکزی جماعتوں اور ان کے قائدین کی ذمہ داری

جو جماعتیں پہلے سے موجود ہیں، خاص طور سے مرکزی جماعتیں وہ اس مقصد کے لئے زیادہ مؤثر کام کر سکتی ہیں، ملی اتحاد کے لئے ان کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے، ان کی آواز پر عوام زیادہ متحرک ہو سکتی ہے، جب وہ مشترکہ اور متحدہ پلیٹ فارم پر سب کو جمع کرنے کے سلسلہ میں پہل کریں گی تو لوگ ان کی آواز پر لبیک بھی کہیں گے، اس لئے مرکزی جماعتوں سے درخواست ہے کہ اس ضرورت پر ترجیحی طور پر مؤثر کام کا لائحہ عمل بنائیں۔

ویسے تو ہر جماعت کے پاس دیگر جماعتوں اور شخصیات سے جوڑ کا نظریہ موجود ہے، البتہ جماعتوں میں اس مقصد سے ”متحرک رابطہ کمیٹی“ نہ ہونے یا ایسی کسی کمیٹی میں جماعتوں کے اہم ذمہ دار اور اس مقصد سے وقف لوگوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اتحاد کی محنتیں ہر جماعت میں زاویہ خمول میں پڑی ہوئی ہیں، اس لئے ضرورت ہے

کہ ہر ملی جماعت میں ایک متحرک اور فعال کمیٹی وجود میں لائی جائے جو اسی مقصد سے کام کرے، اتحاد ملت کے مقصد سے جماعتوں میں ''متحرک رابطہ کمیٹیوں'' کی تشکیل کا اقدام اتحاد ملت کے عمل کو مؤثر بنا سکتا ہے۔

جماعتوں کی ''فعال رابطہ کمیٹیاں'' دوسری جماعتوں سے مل کر مستحکم نظام العمل بنا سکتی ہیں، اور ''ملت کے پہلے سے موجود پلیٹ فارموں'' کو اتحاد کے لئے متحرک بنا سکتی ہیں، ان متحدہ پلیٹ فارموں سے ملت کی متعین، واضح اور غیر مبہم رہنمائی آسان ہو گی۔

ان کمیٹیوں کے سامنے یہ بات رہے کہ اس میدان کی کئی رکاوٹیں اور چیلنجس ہیں، لیکن اتحاد ملت کے مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے وہ اپنی سوجھ بوجھ اور وسعت نظری سے تمام ضروری تقاضوں کو پورا کریں گے۔

مرکزی جماعتوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی ریاستی یونٹوں کو بھی باقاعدہ ہدایت جاری کریں کہ وہ ریاستی سطح پر فعال رابطہ کمیٹوں کو تشکیل دیں جو ملی امور میں اور خاص کر انتخابی سیاست میں ملت کے تمام طبقات اور علاقہ کی تمام جماعتوں اور اہم افراد، علماء و دانشوروں سے جڑ کر مشترکہ لائحہ عمل بنائیں، انتشار سے بچیں اور ملت کو متحدہ پیغام دیں۔ جماعتیں الگ الگ پالیسیوں کا اعلان کر کے ملت کو آزمائش میں نہ ڈالیں۔

مرکزی جماعتوں کی فعال کمیٹیاں بھی ریاستی و علاقائی جماعتوں اور شخصیات سے جڑنے اور ملت کو جوڑنے کی شکلوں پر براہ راست کام کر سکتی ہیں۔ ان سب کے لئے بس وسعت قلبی اور ایک دوسرے سے رابطہ میں پہل کے جذبہ کی ضرورت ہے، دوسرے کا انتظار سے پہلے خود آگے بڑھنے کے جذبہ سے یہ اتحاد ضرور کامیاب ہو گا۔

ملی جماعتوں سے جڑے افراد کی ذمہ داری

ملی اتحاد کو عملی طور پر کامیاب بنانے کے لئے ہر جماعت سے جڑے اصحاب بھی مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، الگ الگ ملی جماعتوں سے وابستہ اصحاب سے درخواست ہے کہ وہ سب سے پہلے خود اپنے بارے میں طے کریں کہ وہ ملی اتحاد کے لئے عملی حصہ لیں گے، پھر وہ اپنی جماعتوں سے جڑے ساتھیوں اور ذمہ داروں کو ملی مسائل پر پوری ملت سے جڑنے پر متوجہ کرا سکتے ہیں، اور گروہی اور انفرادی فیصلوں سے اجتناب کرنے کا باصرار مشورہ دے سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر کہیں فرد یا ملی جماعتوں میں جوڑ کا رویہ دکھائی نہ دے تو وہاں ہر باشعور اپنی دینی ذمہ داری سمجھ کر بلا خوف لومۃ لائم اس رویہ پر مناسب اور احسن طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کرے۔

اور مناسب اور احسن طریقہ سے افہام و تفہیم کے باوجود تبدیلی نہ پائے تو اس انتشار کے رویہ سے صراحت کے ساتھ اپنی برأت کا اظہار کیا جائے۔

مثال کے طور پر ریاستی یا ملکی سطح کے سیاسی انتخابات ہوں تو ہر جماعت کے افراد اپنے ذمہ داروں سے مطالبہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں کہ: جماعتی تحفظات سے بالاتر ہو کر ریاست اور ملک کے تمام طبقات اور حلقے اپنے اپنے علاقہ میں کیا سوچ رہے ہیں ہر پہلو کو جاننے کی کوشش کی جائے، اور سب کے ساتھ مل کر دیانتدارای کے ساتھ مشترکہ و متحدہ حکمت عملی بنائی جائے۔

ریاستی یا ملکی سطح کے عمومی انتخابات صرف کسی ایک جماعت کا مسئلہ نہیں ہوتے بلکہ پوری ملت کا مسئلہ ہوتے ہیں، اس لئے ایسے مسائل میں صرف کسی ایک

جماعت کی منتظمہ یا عاملہ تک محدود رہ کر فیصلے کرنے کے بجائے پوری ملت کو جوڑ کر فیصلے کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

وقت آگیا ہے کہ ملت کے افراد اس مقصد کے لئے منظم طور پر کام کی طرف پیش رفت کریں۔ اور یہ معاملہ صرف ۲۰۲۴ کے عمومی انتخابات کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ مستقبل میں تمام ملی وسیاسی تقاضوں کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

ملی اتحاد کے لئے کام کرنے والے مستقل افراد اور نظم کی ضرورت

ایک جماعت ایسی بھی ہو جو تمام ملی جماعتوں کو باہم جوڑنے کی فکر کرے، سب سے رابطہ رکھے، سب سے ملاقاتیں کرے، اور سب کو ایک جگہ جمع کرنے کی جدوجہد کرے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ اس کے لئے کسی نئی جماعت کی تشکیل یا نئے عہدوں کا تقرر ہو، جماعت اور عہدوں سے بالاتر ہو کر بھی یہ کام ہو سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ ایسی محنت کو منظم بنانے کے لئے ذمہ داروں کی ایک ترتیب بنائی جاسکتی ہے جو عہدوں اور مناصب سے بے پرواہ ہو کر کام پر توجہ دیں۔

ہم ذہن اصحاب، خاص کر وہ علماء اور بزرگان جو اس نہج پر پہلے سے عملی کام کر رہے ہیں، ملک کی ہر ریاست اور ہر علاقہ سے فکر مند اصحاب کو اس نظم سے جوڑنے کی فکر کریں، تمام ہم فکر اصحاب باہم عملاً جڑیں اور ایک دوسرے کی قوت و بازو بنیں۔ اور سب مل کر ملت کے تمام طبقات کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جوڑنے کی فکر کریں۔

وقت وقف کرنے والے اصحاب کی ضرورت

کسی بھی نصب العین کے لئے وقف ہو کر کام کرنے والے اصحاب کی ضرورت ہوتی ہے، ملی و اجتماعی اتحاد کے لئے اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

ہمارے مسائل کا ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ ملی واجتماعی خدمات کے لئے مخلص رہنمائی کے مقصد سے وقف ہو کر کام کرنے والے افراد بہت کم بلکہ برائے نام ہیں۔

جو نظم اور افراد ملت کو باہم جوڑنے کی فکر کر رہے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقصد سے کام کرنے والے مخلص افراد کی تلاش کریں اور ان کو خود سے جوڑیں، صرف نصائح اور خطبات سے بھی کام چلنے والا نہیں ہے بلکہ اہل اصحاب کے انفرادی مسائل کو سمجھ کر ان کو حل کرنے پر بھی توجہ دینا، تاکہ یہ افراد ملت کے موجودہ اہم تقاضوں کو پورا کرنے میں یکسوئی سے کام کر سکیں۔

ملی مسائل پر کام کرنے والے وقف افراد کے لئے وسائل کا مسئلہ

تمام دینی ذمہ داریوں کے لئے حبس وقت اور محنت کی بنیاد پر اجرت کا مسئلہ مسلم ہے، اسی فکر کی بنیاد پر ہمارے تمام دینی اداروں کی ذمہ داریاں پوری ہو رہی ہیں، تو پھر ملی واجتماعی خدمات اور انتخابی سیاست کے لئے بھاگ دوڑ کرنے والوں کے لئے یہ ضرورت نظروں سے کیوں اوجھل ہے۔

امت کو جوڑنے، اتحاد کے لئے بھاگ دوڑ کرنے، اور اس میدان کے دیگر اجتماعی وسیاسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بھی پہلے سے قائم اداروں یا ضرورت کی بنیاد پر ''مستقل نظم'' کے تحت عوامی تعاون کی بنیاد پر وسائل کی فراہمی کا مستقل انتظام ہونا چاہئے، تاکہ ایسے اہل اصحاب کو منتخب کیا جا سکے جو اس میدان میں بھی ہمہ وقت خدمت کے لئے خود کو لگا سکیں، اور ان اصحاب کی مناسب کفالت کا نظم ہو۔

ساتھ ہی انہیں متعینہ ذمہ داریاں دی جائیں، اور متعلقہ کاموں کی مسئولیت کا نظام بھی مقرر ہو۔

یہ نکتہ بہت صاف ہے کہ ملی واجتماعی کاموں کے لئے وقف ہو کر کام کرنے والوں کے بغیر اس میدان کے تقاضے پورا کرنا ناممکن ہے، اور خود ہمہ وقتی کام کرنے والوں کی خدمات پر ان کی ضروری اور معروف کفالت کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔

جو اصحاب ملی مسائل پر کام کرنے کے لئے فکر مند ہیں انہیں ان خطوط پر لازماً سوچنا ہوگا اور مناسب لائحہ عمل بنا کر عملی اقدامات کرنے ہوں گے ورنہ محض امنیات سے کام آگے بڑھنے والا نہیں ہے۔

ملی اتحاد کی بنیاد

ملی اتحاد کے لئے بنیاد کیا ہوگی، اور اس کا بیانیہ کیا ہوگا اس کو طے کرنا بھی ضروری ہے، ملت میں تقریباً تمام طبقات میں نظریاتی طور پر یہ احساس موجود ہے کہ جب مقابلہ دین وملت کے مخالف عناصر سے ہو جو صرف کسی ایک مسلک کو ہی نہیں بلکہ اسلام و مسلمانوں کو ہی مٹا دینا چاہتے ہوں تو مسلکی اور گروہی اختلافات کو ایک طرف رکھ کر دین وملت کے مخالف عناصر سے نمٹنے کے لئے ملی اتحاد کی بنیاد اور عنوان ''عدل اجتماعی'' اور ''دستوری حقوق کا تحفظ'' ہوگا۔

مسلکی امور میں جو طبقہ دلیل کی بنیاد پر جس بات کو حق سمجھتا ہے وہ اپنے اپنے حلقہ اور دائرہ میں اپنے اپنے مسلکی امتیازات پر باقی رہے گا، باقی اپنے مشترکہ دشمن سے مقابلہ کے لئے سب مشترکہ لائحہ عمل بنا کر متحد ہوں گے۔

اس بنیاد کے پیش نظر کن امور پر ہمارا اتحاد ہوگا اور کہاں ہم آزاد ہوں گے یہ طے کرنا نہایت آسان ہے کہ ''عدل اجتماعی'' کے اقدار کے تحفظ اور نفاذ اور ''دستوری حقوق'' کے تحفظ کے لئے ہم متحد ہوں گے، اور اپنے مسلکی امتیازات میں آزاد ہوں گے۔

برادران وطن اور سیکولر طبقات سے اتحاد کی بنیاد

برادران وطن اور سیکولر فکر کے حامل طبقات سے اتحاد کے لئے بنیاد میں بھی ''دستوری حقوق کا تحفظ'' اور عدل اجتماعی کے اقدار کی حفاظت کا عنوان ہی اصل ہے۔اس کے ساتھ ملک میں جمہوریت کی حفاظت، مظلومین کا ساتھ دینا، جاتی واد اور نسل پرست وفرقہ پرست ظالموں سے ملک کی حفاظت اور تمام باشندگان ملک کے لئے سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف وغیرہ برادران وطن کے ساتھ اتحاد کے عناوین میں شامل ہیں۔

آج ملک میں سیاسی پارٹیوں کے علاوہ کئی اجتماعیتیں اور افراد ایسے ہیں جنہیں کئی اعتبارات سے سیاسی وسماجی قوت وطاقت اور استحکام حاصل ہے،اور وہ اپنے اپنے طور پر مذکورہ بالا عناوین سے ملک میں دستوری اقدار کے مخالف عناصر سے نبرد آزما ہیں، جو خود ملت کا بھی موقف ہے۔ مذکورہ بالا عناوین میں سے ہر ایک پر یا علیحدہ علیحدہ ان سے اتحاد بآسانی ممکن ہے۔

جس طرح ملت میں باہمی اتحاد کے لئے ملی جماعتوں میں ایک ''رابطہ کمیٹی ''ہو،اور تمام جماعتوں کو باہم جوڑنے کے نظم میں ایک مستقل جماعت ہو،اسی طرح ہر ملی جماعت میں اور ملی اتحاد کے لئے کام کرنے والے ''مستقل نظم'' میں چند اہم لوگوں کی ایک اور مستقل علیحدہ سے ''رابطہ کمیٹی'' ہونی چاہئے، جو برادران وطن میں ان سیکولر طبقات سے روابط بڑھانے پر کام کرے جن کا مقصد دستوری اقدار کا تحفظ ہو،اور ان کے ساتھ متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی شکلیں ہموار کریں۔

ملی خدام کی صفات

ہر میدان میں خصوصی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ملی خدمات اجتماعیت کا شعبہ ہے، ملت کے اجتماعی کاموں کے لئے خصوصی صفات کی ضرورت ہے، ہمارا دین

ہمیں اجتماعیت کو کامیاب بنانے کی اعلی ترین منظم تعلیم دیتا ہے، تاریخ انسانی میں اجتماعیت کے سب سے عظیم مسلمہ رہنمااور قائد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جس کی گواہی غیر بھی دیتے ہیں، والفضل ماشھدت بہ الاعداء۔

جو لوگ ملی اور اجتماعی خدمات انجام دینا چاہتے ہیں ، وہ اجتماعیت کے لئے سیرت النبی اور تعلیمات نبویہ سے رہنمائی حاصل کریں، اور اپنے اندر سیرت النبی اور تعلیمات نبویہ سے مستفاد درج ذیل بنیادی صفات پیدا کرنے کے لئے خصوصی طور پر توجہ دیں۔

(۱)**اخلاص و تقوی:** دین کے ہر شعبہ کی اولین شرط ''اخلاص'' اور ''تقوی'' ہے، اجتماعی خدمات کے لئے بھی اولین شرط یہی ہے کہ اپنی نیت کی اصلاح ہو اور تقوی کی زندگی پر توجہ ہو، اور ہماری جد وجہد سے اصل غرض باری تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (٥)﴾ (سورہ البینۃ) ذاتی اغراض، جاہ و منصب، یا دیگر کسی اور مقصد سے کام بے سود ہے۔

(۲)**ملی واجتماعی ترجیحات کا فہم:** دوسرا مرحلہ یہ جاننا ہے کہ ملی اجتماعی خدمات سے غرض کیا ہے، اجتماعی خدمات کے لئے دینی ترجیحات کیا ہیں؟ اس کا شعور بہت ضروری ہے، اس کے لئے دین میں اجتماعیت کی ترجیحات کی ضروری تعلیم و تربیت حاصل کرنا، سیرت النبی اور تعلیمات نبویہ سے دین میں اجتماعیت، اجتماعی مفادات اور اجتماعی نظم کی ضروری دفعات سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس بنیادی تعلیم اور تربیت کے بغیر مخلصین بھی اس میدان کے تقاضے پورے نہ کر کے مقصد سے دور حیران اور سر گرداں رہتے ہیں۔

دین میں نبی ﷺ کی ترجیحات کو دو حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے: (۱) نور ایمان کو عام کرنا، شرک و کفر اور ضلالت کو مٹانا، آخرت کی کامیابی کی فکر پیدا کرنا، اس کا موضوع فرد ہے۔ (۲) ملک و معاشرہ میں ''عدل اجتماعی'' کو قائم کرنا۔ دین میں یہ دوسری ترجیح بھی نبوی تعلیمات کا جزو لاینفک ہے، اور ملی خدمات کا اصل نصب العین یہی دین کی دوسری ترجیح ہے۔

حضرات مغیرہ بن شعبہ، ربعی بن حراش اور حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہم نے ''عدل اجتماعی'' اور ''عدل اسلام'' کی ان نبوی ترجیحات کو ایرانی جرنیل رستم کے سامنے ان الفاظ میں واضح فرمایا تھا کہ: الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله وحده، ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام۔(**البداية والنهاية لابن كثير ۷/۳۹**)۔

عدل اجتماعی کے مفہوم کا خلاصہ: '' معاشرہ میں انسانی مساوات کو قائم کرنا، انصاف پر مبنی معیشت کی تقسیم کے نظام کی فکر کرنا، سیاست میں حکمران طبقہ کا رعایا کے ساتھ انصاف کو یقینی بنانا، ظالم حکمرانوں سے عامۃ الناس کو نجات دلانا، ریاست کے وسائل حکمرانوں کی ملکیت اور لوٹ کھسوٹ سے بچا کر عوامی مفادات کے لئے وقف کرانا، قانون کی حکمرانی کو مضبوط بنانا، ظالموں کی قوت کو توڑنا، عدلیہ کو خاندانوں، مالداروں، اور عہدیداروں کے رسوخ سے محفوظ رکھنا، مظلوموں اور کمزوروں کی مدد کے لئے مضبوط معاشرتی، معاشی، اور قانونی اصلاحات کے عمل کو یقینی بنانے کی جدوجہد کرنا شامل ہے''۔

عدل اجتماعی کی نبوی ترجیحات میں سے اکثر آج دستور ہند کی ترجیحات کا بھی حصہ ہیں، جو دستور کے باب سوم میں مذکور ہیں، ملی خدمات کا جذبہ رکھنے والوں کو آج تعلیمات نبویہ سے دین کی اس نظریاتی اساس کو اور دستور ہند سے ان کی مطابقت کے حصہ کو سمجھنے کی سخت ضرورت ہے۔

اور ملی و ملکی اتحاد کی جدوجہد میں ان کی اشاعت کی ''ضروری صلاحیت'' ہر خادم میں ہونا چاہئے۔ جس کے لئے ضروری نصاب پہلے سے موجود ہے، ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، یا پھر مختصر مستقل تحریریں اس مقصد سے تیار کی جاسکتی ہیں۔

(۳)**ملت وانسانیت پر رحم**: ملی خدمات میں ملت سے خیر خواہی اور باہم رحم کا مادہ ہونا، اور انسانیت کی فکر بھی ایک اہم عنصر ہے۔ ملی خدام میں یہ وصف بنیادی طور پر مطلوب ہے کہ وہ خدا اور انسانیت کے دشمنوں کے مقابلے میں سخت ہوں اور آپس میں مہربان اور رحم دل ہوں۔

ملت میں باہم بھائی چارہ کا معاملہ رکھیں، خود پر دوسروں کو ترجیح دیں، اور باہم رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا مصداق بنیں، دوستی اور دشمنی، محبت یا عداوت میں اپنے نفس کے بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیمات کو بنیاد بنائیں۔

ساتھ ہی نہ صرف ملت میں بلکہ انسانیت میں جو مدد کے محتاج ہیں ان کے ساتھ بھی احسان و کرم کا معاملہ کریں، وہ لوگ جو ملت کی جان کے دشمن نہیں ہیں، ملت کو بے گھر نہیں کرتے بلکہ عام انسان ہیں اور خود ظالموں اور فرعونوں کے ستائے ہوئے ہیں، ملی خدام ایسے فرعونوں کے مقابلہ میں أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق

بن کر ظالموں اور فرعونوں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں، اور ستائے ہوئے انسانوں اور کمزوروں، اور محتاجوں کے حقوق کے لئے بھی جدوجہد کریں۔

(۴) **اتحاد ملت کی فکر پر کام**: ملت سے خیر خواہی اور ملت کے ساتھ رحم کا اہم جزء اتحاد کی فکر، اور انتشار اور تفرقہ سے بچنا بھی ہے ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (۱۰۳)﴾ (سورہ آل عمران)۔

سب سے جڑنے اور سب کو جوڑنے کی دھن سوار ہونا اجتماعی خدمات کے لئے از حد ضروری ہے، حتی کہ جن افراد یا طبقات سے نظریاتی اختلاف ہے ان سے جڑنے کے لئے بھی اتفاق کے پہلوؤں کو تلاش کر کے تعلقات بحال کرنے کی کوشش کرنا لازم ہے۔

اسی طرح ملی خدام کا خود کو اتحاد کے منافی امور سے بچانا بھی ضروری ہے، کسی جماعت یا فرد کے بارے میں تحفظات کا شکار رہنا، اور اپنی جانب سے جڑنے کی محنت کے بغیر بد گمانی اختیار کر لینا کہ فلاں نہیں جڑے گا یہ طریقہ کار کی بڑی غلطی ہے۔

ملی خدام کے لئے اتحاد ملت کے مقصد سے ذاتی اختلافات کو نظر انداز کرنا اور ملی مفادات کو ترجیح دے کر دوسروں کی جانب قدم بڑھانا انتہائی ضروری ہے۔ ذاتی اختلافات نظر انداز کر کے جڑنے کا مزاج اجتماعیت کو مؤثر اور یقینی بناتا ہے۔ جبکہ ذاتی اختلافات کو نظر انداز نہ کر کے انسان کبھی ملی اتحاد پر کام نہیں کر سکتا۔

ملی اتحاد کے لئے ذاتی رابطوں کو استوار کرنے پر توجہ نہ دینا بھی اتحاد کے منافی امور میں سے ہے، رابطہ کے لئے سوشل میڈیا یا دور کے ذرائع پر اکتفاء کرنا بھی اسی میں شامل ہے، ملی خدام کے لئے لازم ہے کہ وہ ذاتی رابطوں پر توجہ مرتکز کریں۔

اتحاد کے منافی امور میں سے ایک اہم جماعت کے مشترکہ کاموں کو جماعت اور متعلقہ افراد کے بجائے اپنی ذات اور اپنے نام سے منسوب کرنے کی فکر میں پڑے رہنا بھی ہے، یا ایسے بیانیے استعمال کرنا جو دوسروں کی تنقیص تو دور اپنی اہمیت بڑھانے والے ہوں ان سے بچنا بھی بے حد ضروری ہے۔

اتحاد کو یقینی بنانے کے لئے اپنی ذات کی نفی اور اجتماعیت کا اثبات ضروری ہوتا ہے۔ اس کا سب سے مؤثر حل اپنے کاموں کو بھی جماعت سے جوڑ کر بیان کرنا، اور اپنے متحرک ساتھیوں کو آگے کرنا ہے۔ اور کام کے بڑوں کی اور سرپرستوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی اس پہلو پر خصوصی توجہ دیں۔

دوسروں کی صلاحیتوں اور خدمات کے اعتراف میں فراخدلی بھی اتحاد ملت کو مؤثر بناتی ہے، جبکہ صلاحیتوں اور خدمات کی نفی یا صلاحیتوں اور خدمات پر سکوت کا مزاج ملی خادم کا مزاج نہیں ہو سکتا۔ اعتراف خدمات کا بنیادی مقصد تشجیع اور ہمت افزائی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی بہت حوصلہ افزائی ہونا چاہئے۔

(۵) **جماعتی نظم کی پابندی:** ملی خدام میں ''جماعتی نظم'' کی اساس کا فہم ہونا بھی بہت ضروری ہے، جماعتی نظم کی اساس ''سمع وطاعت''، ''نزاعات سے گریز'' اور ''مستحکم شوری'' ہے۔

جماعتی نظم سے متعلق ایک نہایت اہم ترین اور جامع حدیث صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں:

بَايَعْنَا رسول الله ﷺ على السَّمع والطَّاعَة في العُسْر واليُسْر، والمَنْشَطِ والمَكْرَه، وعلَى أَثَرَةٍ عَلَينا، وعلى أَن لاَ نُنَازِعَ الأَمْر أَهْلَه، وعلى أن نقول بالحقِّ أينَما كُنَّا، لا نخافُ فِي الله لَوْمَةَ لاَئِمٍ۔

ملی خدام پر لازم ہے کہ وہ اس حدیث کو اپنے لئے ایک قاعدہ اور ضابطہ کے طور پر قبول کریں تبھی ان کی اجتماعی خدمات مؤثر بنیں گی۔

امیر و مأمور یا رضاکار: جماعتی نظم کی سب سے پہلی بنیاد اس حدیث میں ''سمع و طاعت'' کو قرار دیا گیا ہے، ہمارے لئے ایک المیہ یہ بھی ہے کہ تمام ملی جماعتوں میں جماعتی نظم مفقود ہے، سمع و طاعت کی بنیاد پر کوئی جماعتی نظم قبول کرنے کے لئے ہر گز تیار نہیں ہے، مجبوراً جماعتوں نے ''رضاکار''(volunteer) کی اصطلاح وضع کر لی ہے اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

رضاکارانہ کام کا نظریہ اس بنیاد پر ہے کہ نہ کسی کو امیر مانتے ہیں، اور نہ ہی خود امیر متعلقہ ذمہ داروں سے کاموں میں تساہل پر مؤاخذہ کر سکتا ہے کیونکہ اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ رضاکار بکھر نہ جائیں، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والے مؤمنین کے لئے یہ ایک بڑا المیہ ہے۔

ملی خدام صرف رضاکارارنہ نظریہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ ''دیانۃ'' امیر کی سمع و طاعت کی بنیاد پر اپنے جماعتی نظم کو قائم کر سکتے ہیں، جس میں انہیں خود کو امیر کے سامنے مسئولیت اور متعلقہ کاموں میں مؤاخذہ کے لئے بھی پیش کرنا چاہئے، ملت اور ملی خدام کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ حقیقی اجتماعیت کو وجود میں لانے کے لئے اس نظام کو کیسے مؤثر بنا سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث جماعتی نظم کے تمام مسائل کو حل کرنے والی ہے کہ نبی ﷺ نے کن بنیادوں پر جماعتی نظم کو قائم کیا تھا۔

اس حدیث کی بنیادی تعلیم اجتماعی نظم میں امیر کی ''سمع وطاعت''، یعنی حکم اور طے شدہ بات کو سننا اور فرماں برداری کرنا ہے: بَايَعْنَا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السَّمع والطَّاعَة ۔

سمع وطاعت کے مقامات: سمع و طاعت کا تعلق ہر حال سے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: في العُسْر واليُسْر: یعنی اجتماعی نظم سے جڑے ہوئے شخص کو چاہے مالی طور پر فراخی ہو یا تنگی ہو وہ غریب ہو یا مالدار ہو اس پر لازم ہے کہ اپنے ذمہ داروں کی سنے اور اطاعت کرے۔

ہاں امیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے احوال کے مطابق ذمہ داریاں سونپے، لیکن جب احوال کا جائزہ لے کر کوئی بات طے ہو تو اس کی پابندی بہت ضروری ہے۔ اور اس سے انحراف درست نہیں ہے۔

اسی طرح سمع وطاعت کا تعلق اس بات سے بھی ہے کہ جماعتی نظم میں جب کوئی بات طے ہو جائے تو چاہے وہ بات انفرادی طور پر کسی کو پسند آئے یا ناپسند ہو، ہر حال میں طے شدہ بات کو سننا اور ماننا سب پر لازم ضروری ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: والمَنْشَطِ والمَكْرَه ، یعنی نبی ﷺ نے صحابہ سے منشط و مکرہ ہر صورت میں سمع وطاعت پر بیعت لی۔

(٦) ذمہ درایوں کی تقسیم میں ترجیح: جماعتی نظم اور سونپی جانے والی ذمہ داریوں میں کسی نہ کسی کو ترجیح دینا ناگزیر ہوتا ہے، ہر کام ہر ایک کو نہیں دیا جاسکتا، اور ہر کام میں ہر ایک کو ذمہ دار نہیں بنایا جا سکتا، اس لئے ذمہ داروں کے طور پر کسی کو دوسروں پر ترجیح دینا ہی ہوتا ہے۔

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ نبی ﷺ نے صحابہ سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ کسی کام کی ذمہ داری کے لئے چاہے ایک کو چھوڑ کر کسی اور کو ترجیح دی جائے اور دوسرے کو اس کی ماتحتی قبول کرنا پڑے تب بھی وہ طے شدہ امیر کی سمع وطاعت کریں گے: وعلَى أَثَرَةٍ عَلَينا:، چنانچہ کئی مقامات ہیں جہاں اکابر اور سابقین اولین صحابہ کے مقابلہ میں اصاغر اور غیر سابقین اولین کو ذمہ دار بنایا گیا اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اصاغر اور غیر سابقین اولین کی سنیں اور فرماں برداری کریں اور اکابر و سابقین اولین نے اس حکم کے آگے اپنا سر جھکایا۔ اس کی مثال میں صحابہ کے کئی اہم واقعات موجود ہیں، ملی خدام کو صحابہ کی تاریخ میں اس پہلو کو تفصیل سے سمجھنے اور اس کے مطابق خود کو ڈھالنے کی سخت ضرورت ہے۔ اور سیرت نبوی اور سیرت صحابہ سے اس پہلو کو ایک نصاب کے طور پر مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس حدیث میں وعلى أَن لاَ نُنَازِعَ الأَمْر أَهْلَه بہت اہم جزء ہے، یعنی جماعتی نظم میں جو ذمہ دار بنائیں جائیں جماعت کے رفقاء ان سے طے شدہ امور اور ان کی تعمیل میں کوئی نزاع نہ کریں اور ان ذمہ داروں کے ساتھ مل کر ان کی جانب سے سونپے گئے کاموں کو بغیر الجھے ہوئے پورا کریں، نظم کے استحکام اور متعینہ اہداف کے حصول کے لئے یہ اہم ترین ضرورت ہے۔ ملت کے بہت سے کام صرف اس پہلو پر توجہ نہ دینے سے بھی بگڑتے ہیں، نظم کے استحکام کو برقرار رکھنا خود ملت کے استحکام کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

(۷) **شوری:** سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی ذمہ دار میں کوئی امر خلافِ شریعت یا ملی مفادات کے خلاف دکھائی دے، یا کسی ساتھی کو نظم کی کسی پالیسی سے دیانتدارانہ اختلاف ہو تو کیا کیا جائے، کیا اس پر بھی سکوت اختیار کیا جائے تو اس کا حل اگلے جزئیہ

میں ہے کہ آپ ﷺ نے: وعلى أن نقول بالحقِّ أينَما كُنَّا، لا نخافُ فِي الله لَوْمَةَ لائِمٍ پر بھی بیعت لی۔

یعنی ذمہ داروں میں دینی یا انتظامی کوتاہی کی اصلاح کا ذریعہ بلا خوف لومۃ لائم جماعتی نظم میں حق گوئی ہے، اس کے لئے انفرادی طور پر اصلاح بھی شامل ہے، اور اس کے ساتھ حق گوئی کا اجتماعی کھلا ہوا پلیٹ فارم ''جماعتی شوری'' کا ہوتا ہے۔

جیسے جماعتی نظم کی بنیاد امارت اور امیر کی سمع وطاعت ہے، اسی طرح جماعت کے اندرونی مسائل کے حل کا اہم ذریعہ نظم میں ''شوری'' کی مضبوطی ہے۔

شوری کو مضبوط، مؤثر اور فعال بنانا جماعتی نظم کے لئے سخت ضروری ہے۔ جہاں نظم سے جڑے اصحاب کو کھل کر اپنی بات رکھنے کا موقع دیا جائے، جس میں نظم یا ذمہ داروں سے کوئی شکایت ہو تو اس کو بھی شوری میں رکھنے کا موقع دیا جانا چاہئے، اسی طرح ملت کا کوئی بھی فرد پالیسی سے متعلق نظم کو کوئی مشورہ دینا چاہتا ہو تو اس کی شوری میں ہمت افزائی کی جانی چاہئے۔

ملی جماعتوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہماری شوری غیر مؤثر اور غیر فعال ہوتی ہے، جس میں نہ اعتراض کا موقع دیا جاتا ہے، اور نہ ہی کھل کر بات رکھنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے مفید مذاکرات اور مشاورت کی برکت سے ہماری ملی جماعتیں محروم ہو گئی ہیں۔

زیادہ سے زیادہ اکابر کے خطبات کرادیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ خطبات اہم ضرورت ہوتے ہیں لیکن ان کی الگ مصلحت ہے، وہ نظریاتی غذا اور نصائح فراہم کر سکتے ہیں، لیکن جماعتی کارکن کے افکار سے مطلع ہونا، اور اجتماعیت میں کھل کر اپنی بات رکھنے کا موقع فراہم کیا جانا الگ سے جماعتی نظم کی مصلحت ہے۔ اس سے فرد کی ہمت

افزائی بھی ہوتی ہے کہ وہ جماعت کے سامنے اپنی بات رکھ سکتا ہے، دوسرے ملت کو مختلف اذہان سے قیمتی آراء حاصل ہوتی ہیں، نیز یہ نظم کے منصب داروں کے لئے بھی ایک ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے کہ اگر وہ کوئی کوتاہی کریں گے تو نظم میں اس کو جواب دہی کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔

ہاں شوری کو بلاوجہ کی شکایتیں نیز دیگر منفی پہلوؤں مثلاً بلاوجہ کی تنقیص واور بلاوجہ کی تنقیدات وغیرہ خدشات سے بچنے کے لئے بھی اصول وضع کئے جاسکتے ہیں، یہ بھی اہم پہلو ہے ورنہ خواہ مخواہ کے اعتراضات کرنے والے بھی کافی لوگ ہوتے ہیں، جو نازک حالات میں بھی ملت کی اہم ضروریات کو بھول کر بلاوجہ کی تنقیدات میں پڑے رہتے ہیں، البتہ نظم میں تنقید برائے تعمیر اور رائے دینے کے لئے شوری کا پلیٹ فارم کھلا ہونا چاہئے، یہ جماعتی نظم کو مؤثر بنانے کے لئے بے حد اہم ہے۔

اسی طرح جماعتی نظم میں شوری کے لئے اطمینان بخش وقت دیا جانا چاہئے، ہمارے یہاں اہم لوگوں کو اہم عناوین پر جمع تو کیا جاتا ہے، لیکن شوری کے لئے مطلوب وقت فراہم نہیں کیا جاتا، بسا اوقات تو اہم ترین مشاورتی نشستوں میں ''دو تین منٹ میں بات رکھنے'' کا مطالبہ کیا جاتا ہے، یہ دو تین منٹ تاثرات کے لئے تو ٹھیک ہیں لیکن شوری میں دو تین منٹوں کی تحدید شوری کے ساتھ مذاق ہے، شوری کبھی مختصر ہو سکتی ہے، لیکن شوری میں طویل مذاکرات کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور اسی سے ملت کے منصوبہ ساز مرکز (Think Tank) بنتے ہیں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ طویل شوری کی نشستیں طے شدہ نظام کے تحت الگ سے منعقد ہوں اور ان کو ریکارڈ کیا جائے، اس میں حصہ لینے والوں کو تیاری کر لینے، یا زبانی بات چیت سے قبل موضوعات اور نکات کی تحریری تیاری اور مواد کی فراہمی کا پابند بنایا

جائے اور اس میں بھی وقت کا پابند بنایا جائے، لیکن وہ وقت معتد بہ ہو، ورنہ شوری میں دو تین منٹوں کی تحدید صرف تمسخر ہے۔

نظم کا دائرہ اور طریقہ کار

کسی بھی نظم اور جماعت میں افراد کار کے دو اساسی حلقے ہو سکتے ہیں:

ایک ان ارباب حل وعقد کا حلقہ جن کے درمیان ملت کی اجتماعی امور سے متعلق پالیسیوں پر مشاورت ہو، اور ان کے درمیان نظم کی پالیسیاں طے کی جائیں، یہ اس نظم کی شوری قرار پائے گی، اس شوری کا سب سے اہم ذمہ دار ''امیر نظم'' ہوگا۔

دوسرا وہ حلقہ جو شوری کی طے کردہ پالیسیوں کو عملی جامہ پہنائے۔ یہ اس نظم کی منتظمہ قرار پائے گی اور شوری کے تحت کام کرے گی۔

ان کے علاوہ نظم میں دیگر اور حلقے مثلاً عملہ وغیرہ کا ہو سکتا ہے، لیکن بنیادی ڈھانچہ شوری اور منتظمہ سے بنے گا۔

جماعت میں کوئی بھی پالیسی جس پر عمل کیا جائے اس پر شوری میں کھل کر مذاکرات ہونے کے بعد اس کو طے کیا جائے، یہ شفافیت جماعتی نظم کو مستحکم بنانے کے لئے بے حد ضروری ہے۔

جماعت کی کوئی بھی پالیسی چند افراد کے درمیان کیف ما اتفق طے کر لینا یہ صحیح طریقہ نہیں ہے، یہ چلن کہ شوری کے اہتمام کے بغیر چند افراد کی جانب سے کوئی پالیسی بنا کر اس کو سب پر لاگو کیا جائے یہ جماعتی نظم کو خراب کر دیتا ہے، اس سے سنجیدہ لوگ بکھر جاتے ہیں، اور اس چلن سے کوئی بھی نظم کبھی بھی مستحکم نظم نہیں بن سکتا اور یہ ملت کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔

بعض لوگ اجتماعیت کی اس نزاکت کو محسوس نہیں کرتے اور مخلص ہونے کے باوجود طریقہ کار کی اس نزاکت کو نظر انداز کر کے نظم میں تکدر کا باعث بنتے ہیں،

ذمہ داروں سے انفرادی طور پر کوئی بات کر کے اس کو پالیسی کے طور پر چلا دیتے ہیں، اور بعد میں شرکاء سوال کرتے ہیں کہ یہ پالیسی کب بنی، کن کی شمولیت سے بنی، اور بے چینی پھیلتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ نظم میں اجتماعی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا، اور پالیسیوں کو طے کرنے میں شفافیت لانا بے حد ضروری ہے۔

یہ ممکن ہے کہ شوریٰ کی دو سطحیں طے کی جائیں، ایک عمومی سطح اور ایک خصوصی سطح، عمومی سطح پر مشاورت کے بعد جو امور طے ہوں، ان کو تجاویز کے طور پر خصوصی سطح کی جانب مزید مشاورت کے لئے منتقل کیا جا سکتا ہے، لیکن اعلیٰ سطح کی شوریٰ مطلوبہ امور کو متعینہ وقت میں غور وفکر کے بعد صاف واضح کرے کہ عمومی شوریٰ کی تجاویز کے بارے میں متفقہ طور پر کیا طے کیا گیا۔

ہر پالیسی کو دو سطحوں پر غور کرنا ضروری نہیں ہے، بعض عام معاملات کو طے کرنے کا عمومی شوریٰ کو بھی مختار بنایا جا سکتا ہے، البتہ ہر سطح کے ارکان اور ان کے کام کا طریقہ کار اور وقت واضح اور متعین ہونا ضروری ہے، امور کو کیف ما اتفق چھوڑ دینا نظم میں بے ترتیبی کو جگہ دیتا ہے جو نظم کو یا تو کھڑے ہی نہیں ہونے دیتا یا نظم وجود میں آنے کے بعد اس کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔

کسی بھی مقصد پر پالیسی سازی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو ایجنڈہ بنا کر شوریٰ میں رکھا جائے اور اس پر ارکان سے آراء طلب کی جائیں۔ اور شوریٰ میں ذمہ دار اور بڑے ماحول بنائیں کہ زیر مشورہ امور میں کھل کر رائے دیں، اور رفقاء سے کھل کر رائے دینے کا مطالبہ کریں، کسی تکلف سے کام نہ لیں، واضح کر دیا جائے کہ بعد مشورہ جو بھی پالیسی طے کی جائے گی وہ تمام شرکاء کی جانب سے ہوگی، اور سب پر لاگو ہوگی، اس لئے بعد میں اختلاف کے بجائے بروقت مشاورت میں حصہ لیا جائے، اختلاف ہو تو اس کو بھی وجوہات کے ساتھ بیان کیا جائے۔

تمام آراء کے سامنے آنے کے بعد پالیسی کو قطعیت دینا امیر شوری اور امیر نظم کے ہاتھ ہوگا، جو کسی تکلف سے کام نہ لے کر جو حق ہو اس کو طے کر دے، امیر کسی پہلو کو طے کرنے میں کثرت رائے کو ملحوظ رکھ سکتا ہے لیکن امیر کسی موقع پر کثرت رائے کے خلاف کوئی فیصلہ کر دے تو وہی پالیسی ہو گی، امیر کثرت رائے سے فیصلے کرنے کا پابند نہیں ہے۔

شوری منتظمہ اور اس کے طریقہ کار کو بھی طے کرے گی، مختلف کاموں کے لئے منتظمہ کے مختلف حلقے بنائے جا سکتے ہیں، منتظمہ کے تمام حلقے شوری کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہوں گے۔

یہ ممکن ہے کہ منتظمہ کے طریقہ کار کو بھی شوری طے کر دے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شوری منتظمہ کو طریقہ کار طے کرنے کا مجاز بنائے، اس دوسری صورت میں منتظمہ اپنے ارکان کے اتفاق سے اپنا متعینہ طریقہ کار بنائے گی۔

نظم میں جو لوگ عملہ کے طور پر منتخب ہوں گے چاہے وہ تنخواہ دار ہوں یا اختیاری اعزازی ہوں وہ منتظمہ کے تحت کام کریں گے، اور عملہ کو کام کا طریقہ کار منتظمہ فراہم کرے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ ملت کے حقیقی اتحاد کی محنت، برادران وطن سے عدل اجتماعی کے اقدار اور دستوری حقوق کی جدوجہد میں اتحاد، صحیح حلیفوں کے انتخاب، سیاسی انتخابات میں درست حکمت عملی بنانے، اور اس کے تقاضوں پر محنت کرنے سے امید کی جا سکتی ہے کہ ملک کے موجودہ احوال میں خاطر خواہ تبدیلی پیدا ہو گی، اللھم وفقنا لما تحب و ترضی۔

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (١٧٣) فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ (١٧٤) إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (١٧٥)﴾ [سورة آل عمران]۔

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (٤٦)﴾ -[سورة الانفال]۔

عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:(إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا). وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ [صحيح البخاري]۔

إنّ الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله، ومن ضيق الدنيا إلى سَعَتها، ومن جَوْر الأديان إلى عدل الإسلام - [البداية والنهاية لابن كثير ٣٩/٧]۔

بَايَعْنَا رسول الله ﷺ على السَّمع والطَّاعَة في العُسْر واليُسْر، والمَنْشَطِ والمَكْرَه، وعلَى أَثَرَةٍ عَلَينا، وعلى أَن لاَ نُنَازِعَ الأَمْر أَهْلَه ، وعلى أن نقول بالحقِّ أينما كُنَّا، لا نخافُ فِي الله لَوْمَةَ لائِمٍ [صحيح مسلم]

النصيحة ANN-NASEEHA

چشمہ، عماد نگر، میر محمود پہاڑی، حیدر آباد، تلنگانہ۔

4-12-46/56&57/P/NP, Chashma, Imad Nagar,
M.M. Pahadi, Hyderabad- 64. T.S.
Phone : 8008262984, 6302228374